ماہنامہ

# موازنۂ مذاہب

ISSN: 20491131
ایڈیٹر: محفوظ الرحمان
فروری 2026ء | تبلیغ 1405 ھجری شمسی | شعبان 1447 ھجری قمری | جلد 15 نمبر 02

اے فضلِ عمر تیرے اوصافِ کریمانہ
یاد آکے بناتے ہیں ہر روح کو دیوانہ

ہر روز تو تجھ جیسے انسان نہیں لاتی
یہ گردشِ روزانہ یہ گردشِ دورانہ

دُکھ درد کے ماروں کو سینے سے لگاتا تھا
تُو سوچتا ہی نہ تھا اپنا ہے یا بیگانہ

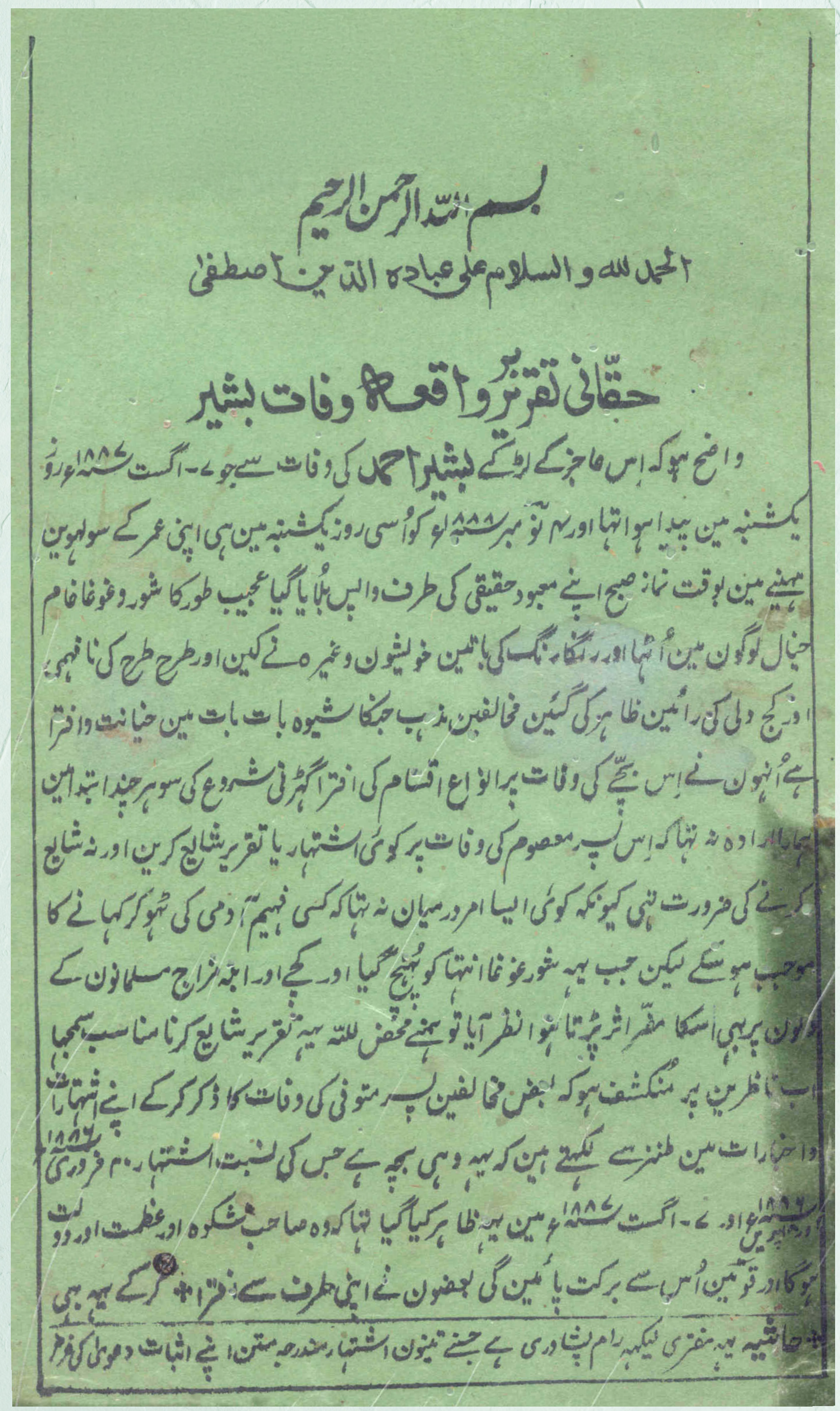
ہاں علم و عمل میں تھا اِک پیکرِ عظمت تُو
قرآن کا شیدائی اللہ کا دیوانہ

(مبارک احمد عابدؔ)

https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے شائع ہونے والے
"سبز اشتہار" کے ایڈیشن اوّل کا پہلا صفحہ

یہ اشتہار پیشگوئی مصلح موعود کو سمجھنے کے لئے ایک بنیادی اشتہار ہے۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

## حقّانی تقریر بر واقعہ وفات بشیر

واضح ہو کہ اس عاجز کے لڑکے بشیر احمد کی وفات سے جو ۷۔ اگست ۱۸۸۷ء روز یکشنبہ مین پیدا ہوا تہا اور ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو اُسی روز یکشنبہ مین ہی اپنی عمر کے سولہوین مہینے مین بوقت نماز صبح اپنے معبود حقیقی کی طرف واپس بُلایا گیا عجیب طور کا شور و غوغا خام خیال لوگون مین اُٹہا اور رنگارنگ کی باتین خویشون وغیرہ نے کین اور طرح طرح کی نافہمی اور کج دلی کی رائین ظاہر کی گئین مخالفین مذہب جنکا شیوہ بات بات مین خیانت و افترا ہے اُنہون نے اس بچّے کی وفات پر انواع اقسام کی افترا گہڑنی شروع کی سو ہر چند ابتدا مین ہمارا ارادہ نہ تہا کہ اس پسر معصوم کی وفات پر کوئی اشتہار یا تقریر شایع کرین اور نہ شایع کرنے کی ضرورت تہی کیونکہ کوئی ایسا امر درمیان نہ تہا کہ کسی فہیم آدمی کی ٹہوکر کہانے کا موجب ہو سکے لیکن جب یہہ شور و غوغا انتہا کو پہنچ گیا اور کچے اور ابلہ مزاج مسلمانون کے دلون پر بہی اسکا مضر اثر پڑتا ہوا نظر آیا تو ہمنے محض للہ یہہ تقریر شایع کرنا مناسب سمجہا اب ناظرین پر منکشف ہو کہ بعض مخالفین* پسر متوفی کی وفات کا ذکر کر کے اپنے اشتہارات و اخبارات مین طنز سے لکھتے ہین کہ یہہ وہی بچہ ہے جس کی نسبت اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء و ۸ اپریل ۱۸۸۶ء اور ۷۔ اگست ۱۸۸۷ء مین یہہ ظاہر کیا گیا تہا کہ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا اور قومین اُس سے برکت پائینگی بعضون نے اپنی طرف سے افترا کر کے یہہ بہی

* حاشیہ یہہ مفتری لیکھرام پشاوری ہے جسنے تینون اشتہار مندرجہ متن اپنے اثبات دعویٰ کی غرض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

# موازنۂ مذاہب

ایڈیٹر: محفوظ الرحمان

ISSN: 20491131

فروری 2026ء | تبلیغ 1405 ہجری شمسی | شعبان 1447 ہجری قمری | جلد 15 نمبر 02

## فہرست مضامین

## اداریہ

# مصلح موعود رضی اللہ عنہ
## خدائی نشانات کا جہان اور عزم و ہمت کا پیکر

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا میں آکر جو بہت بڑے بڑے کام اور کارنامے سرانجام دئے ان میں سے ایک ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت تھا۔ آپؑ نے ساری دنیا میں یہ مشتہر کیا کہ ایک خدا ہے، جو بولتا ہے جو سنتا ہے، جو سرب شکتی مان قادر مطلق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے پھر آپؑ کے ذریعہ سے سینکڑوں ہزاروں نشانات ایسے دکھائے جو خدا تعالیٰ کی ہستی کا مونہہ بولتا ثبوت تھے۔ اور ان میں سے ایک بہت بڑا نشان حضرت مصلح موعودؓ کی اپنی ذات مبارک ہے۔ آپؓ کا پیدا ہونا ایک نشان ہے، اور جب آپ کی سوانح پڑھی جائے تو سچی بات ہے کہ آپ کا زندہ رہنا بھی ایک بہت بڑا نشان ہے، بچپن سے ہی اتنے بیمار رہے، اور ایسی ایسی بیماریاں لاحق ہو گئیں کہ ان کا زندہ رہنا ہی ایک بہت بڑا نشان بن جاتا ہے۔ اور پھر سکول و کالج کی کوئی خاص تعلیم نہ ہونے کے باوجود آپ کا دین و دنیا کے علوم پر دسترس رکھنا ایک بہت بڑا نشان ہے۔



باوجود بیمار ہونے کے اور باوجود ان بیماریوں کی وجہ سے ڈاکٹرز اور اطباء کی اس نصیحت کے کہ کم سے کم چھ سات گھنٹے سویا کریں، آپ کا دین اسلام اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے انتھک محنت کرنا ایک قابل رشک و تقلید نمونہ ہے، ہم سب کے لئے ایک اسوہ ہے۔ ذیل میں حضرت مصلح موعودؓ کا اپنا بیان فرمودہ ایک اقتباس پیش کیا جارہا ہے۔ جس سے ظاہر ہو گا کہ آپؓ کو قرآن کریم سے کس قدر محبت تھی اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کس قدر جانفشانی اور محنت کیا کرتے تھے۔ 1957ء کے ایک خطبہ جمعہ میں آپ ترجمہ قرآن کے لئے ہونے والی محنت کا ذکر فرمارہے ہیں کہ جب آپ کی

عمر مبارک 70 سال کے قریب قریب ہو چکی تھی اور بیماریوں نے بھی گھیر اڈالا ہوا تھا لیکن یہ عزم وہمت کا پیکر خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے کلام کی محبت سے سرشار ''اپنے قول سے ہارا نہیں'' مسلسل کام کئے جا رہا تھا۔

آپؓ اس خطبہ میں بیان فرماتے ہیں:

**"عمر اور بیماری کے ساتھ انسان کی کیفیتیں بدلتی چلی جاتی ہیں۔ مجھے یاد ہے 1922ء میں میں نے سارے رمضان میں درس دیا تھا۔ اگست کا مہینہ تھا اور گرمی بڑی سخت تھی۔ لیکن مجھے یاد ہے کہ میں ساری رات درس کے نوٹ لکھا کرتا تھا اور صبح روزہ رکھ کر درس دیتا تھا۔ دوپہر کے بعد جب میں باہر نکلتا تو گرمی کی شدت کی وجہ سے حکیم محمد عمر صاحب جو اب بہت بوڑھے ہو گئے ہیں مسجد کے کنویں سے پانی بھر لاتے اور میرے سر پر ڈالتے۔ اس کے بعد میں پھر واپس جا کر درس دینا شروع کر دیتا۔ ظہر آجاتی، عصر آجاتی، پھر شام آجاتی میں درس دیتا چلا جاتا۔ غرض کوئی بارہ تیرہ گھنٹے ہم درس دیتے تھے۔ تفسیر کبیر کی جو جلد پہلے چھپی تھی وہ اس درس کے نوٹوں کی وجہ سے ہے۔**

لیکن اب بیماری کی وجہ سے جسم میں وہ برداشت نہیں رہی۔ پھر قرآن کریم کا اردو ترجمہ جو ابھی جاری ہے اور جس کی نظر ثانی ہو چکی تھی اس پر اب نظر ثالث ہو رہی ہے۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ مولوی محمد یعقوب صاحب جنہیں میں ترجمہ ڈکٹیٹ کراتا ہوں اور مولوی نور الحق صاحب مجھ سے نظر ثالث کے بعد نظر رابع بھی کروائیں گے اور نظر رابع کے بعد کہیں گے نظر خامس کر دیجیے۔ پھر نظر خامس ہو جائے گی اور جلسہ سالانہ کے دن قریب آجائیں گے تو کہیں گے نظر سادس بھی کر دیجیے۔ اس کے بعد نظر سابع ہو گی اور مجھے ڈر ہے کہ اس طرح اگلا سال بھی کہیں گزر نہ جائے۔ کیونکہ نظر ثانی کے وقت ہم ایک ایک دن میں دو دو سیپارے کر لیتے تھے۔ لیکن اب دو دو دن میں ایک سیپارہ ختم ہوتا ہے اور اسی طرح نظریں بڑھتی گئیں تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔ میں نے انہیں کہا ہے اور تاکید کی ہے کہ وہ کام جلدی ختم کرنے دیں۔

1938ء میں میں نے کسی قدر ترجمہ کر لیا تھا۔ پھر جابہ اور مری میں پچھلے سال باقی ترجمہ ختم کیا اور اس سال رمضان میں اس کی نظر ثانی شروع کی تھی جو یہیں ختم کر لی تھی۔ اُن دنوں بعض دفعہ دو دو سیپارے ایک دن میں ہو جاتے تھے۔ اگر نظر ثالث بھی اسی اختصار سے ہوتی تو سات دنوں میں چودہ سیپارے ختم ہو جانے چاہئیں تھے لیکن ہوئے صرف تین چار سیپارے ہیں۔ گو مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی نور الحق صاحب نے مجھے تسلی دلائی تھی کہ شروع کے پارے نظر ثانی کے وقت بھی مشکل سے ہوئے تھے بعد کے سیپارے جلدی ہو گئے تھے اور یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ جب تک پیالہ ہونٹوں کو نہ لگ جائے اور پانی پی نہ لیا جائے انسان کو تسلی نہیں ہوتی۔ مجھے بھی تسلی نہیں ہوتی۔ ہاں! اگر اگلے سیپارے عملاً جلدی ہو جائیں تو دیکھیں گے۔ فی الحال تو یہ صرف وعدہ ہی وعدہ ہے۔ بہر حال ہماری یہ کوشش ہے کہ ستمبر یا اکتوبر میں سارا قرآن کریم چھپ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ بیچ میں آرام کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ کیونکہ لمبا کام کرنا پڑتا ہے۔ جن دنوں میں ہم نظر ثانی کر رہے تھے اُن دنوں بعض اوقات ہمیں آٹھ آٹھ، نو نو گھنٹے متواتر کام کرنا پڑا اور اُن دنوں دو دو سیپارے بھی ہو جاتے تھے لیکن عام دنوں میں ایک ایک

سیپارہ یا ڈیڑھ ڈیڑھ سیپارہ ہی ہوتا تھا اور اُن دنوں میں بھی ہم چار چار گھنٹے روز کام کرتے تھے۔ اب بھی تین تین گھنٹے روزانہ کام ہوتا رہا ہے...

بیماری لمبی ہو جانے کی وجہ سے قدرتاً کوفت زیادہ ہوتی ہے۔ پہلے اتنی کوفت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ مگر اب شدید بیماری کو دو سال کے قریب عرصہ ہو چکا ہے اور چونکہ بیماری زیادہ عرصہ جسم پر طاری رہی ہے اس لیے جلد ہی کوفت کی وجہ سے جسم گر جاتا ہے۔ بہر حال ہمارا ارادہ یہ ہے کہ چاہے کوفت ہی ہو کام ختم ہو جائے۔ اب بھی بعض اوقات کام کرتے کرتے بیماری کی وجہ سے مدہوش ہو جاتا ہوں۔ اور بعض دفعہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں نیچے گر جاؤں گا۔ سامنے سے مولوی محمد یعقوب صاحب کہہ دیتے ہیں کہ حضور! کام بہت زیادہ ہو گیا ہے اب بس کر دیں۔ مگر میں اس بیہوشی میں بھی کہتا ہوں کہ کام کرتے چلے جاؤ چاہے رات کے بارہ بج جائیں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 17 مئی 1957ء خطبات محمود جلد 38 صفحہ 129 تا 131)

کیا ہی سچ کہا تھا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے:

ہم تو جس طرح بنے کام کئے جاتے ہیں
آپ کے وقت میں یہ سلسلہ بدنام نہ ہو

اک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
ملت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

اللہ تعالیٰ حضرت مصلح موعودؓ کی روح پر کروڑوں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

اے خدا بر تُربتِ اُو بارش رحمت ببار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم



## ارشاد باری تعالیٰ

# رحمت کا نشان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔ (مریم:22)

ترجمہ: (فرشتہ نے) کہا (بات) اسی طرح ہے (جس طرح تونے کہی، مگر) تیرے رب نے یہ کہا ہے کہ یہ (کام) مجھ پر آسان ہے اور (ہم اس لیے یہ لڑکا پیدا کریں گے) تا کہ اسے لوگوں کے لئے ایک نشان بنائیں اور اپنی طرف سے رحمت (کا موجب بھی بنائیں) اور یہ (امر) ہماری تقدیر میں طے ہو چکا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اور ہم اس کو لوگوں کے لئے رحمت کا نشان بنائیں گے اور یہ امر پہلے ہی سے قرار پایا ہوا تھا۔“

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 616 حاشیہ)



## ارشاد نبوی ﷺ

# فَيَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهُ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

**عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:**
**يَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ إِلَى الْأَرْضِ فَيَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهُ...**

(مشکوٰة المصابیح، باب الفتن باب نزول عیسیٰؑ الفصل الثالث حدیث: 5508)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
عیسیٰ بن مریم زمین پر نازل ہوں گے اور وہ شادی کریں گے اور ان کی اولاد ہو گی...

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پہلے سے ایک پیشگوئی فرمائی ہے کہ يَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهٗ۔ یعنی وہ مسیح موعود بیوی کرے گا اور نیز وہ صاحب اولاد ہو گا۔ اب ظاہر ہے کہ تزوج اور اولاد کا ذکر کرنا عام طور پر مقصود نہیں کیونکہ عام طور پر ہر ایک شادی کرتا ہے اور اولاد بھی ہوتی ہے۔ اس میں کچھ خوبی نہیں بلکہ تَزَوُّج سے مراد وہ خاص تَزَوُّج ہے جو بطور نشان ہو گا اور اولاد سے مراد وہ خاص اولاد ہے جس کی نسبت اس عاجز کی پیشگوئی موجود ہے۔ گویا اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سیاہ دل منکروں کو ان کے شبہات کا جواب دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ یہ باتیں ضرور پوری ہوں گی۔ منہ"

(ضمیمہ رسالہ انجام آتھم، روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 337 حاشیہ)



# اِمَامُ الْکَلَام علیہ الصلوٰۃ والسلام

## ایک عظیم الشان پیشگوئی ’’مصلح موعود‘‘

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ جماعت احمدیہ مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

’’بِاِلْھَامِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَاِعْلَامِہٖ عَزَّوَجَلّ خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہر یک چیز پر قادر ہے (جَلَّ شَانُہٗ وَعَزَّ اِسْمُہٗ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔ اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر! تجھ پر سلام۔

خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آ جائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔

سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہو گا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام عَنْمَوَائِیل[1] اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے۔ وہ نوراللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہو گا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت وغیوری نے اسے اپنے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہو گا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا(اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے)دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔

فرزند دلبند گرامی ارجمند مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ۔ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ۔ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہو گا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہو گا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہو گا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 647)

1۔’’عمانوایل‘‘(ملاحظہ ہو انجام آتھم روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 62)



# کَلَامُ الْاِمَام

## ”وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا“

**امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 21 فروری 2025ء میں فرماتے ہیں:**

”کل 20؍ فروری تھی۔ یہ دن جماعت میں

**پیشگوئی مصلح موعود**

کے حوالے سے جانا جاتا ہے۔ اس حوالے سے اس دن یا ان دنوں میں آگے پیچھے جماعتوں میں پیشگوئی مصلح موعود کے جلسے بھی ہوتے ہیں۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک لمبی پیشگوئی ہے جس میں ایک بیٹے کی پیدائش اور اس کی خصوصیات کا ذکر ہے۔ 20 فروری 1886ء کو اس کو اشتہار کی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس پیشگوئی میں لڑکے کی خصوصیات کے بارے میں الہامی الفاظ کا ایک حصہ اس طرح سے ہے کہ ”وہ سخت ذہین و فہیم ہو گا“ اور پھر ہے کہ ”...علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔“

(آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 647)

اور اللہ تعالیٰ نے اس کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیٹا عطا فرمایا جو ان خصوصیات کا حامل تھا جن کا نام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد تھا، جن کو مصلح موعود بھی کہا جاتا ہے۔ جو بچے بھی جماعت کی تاریخ سے واقفیت رکھتے ہیں، بڑے تو رکھتے ہی ہیں اس پیشگوئی سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اطفال میں خدام میں ہر جگہ ہی جلسے ہوتے ہیں۔

**جیسا کہ پیشگوئی کے الفاظ ہیں کہ وہ لڑکا علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا**

**خدا تعالیٰ نے خود ان کی ذہانت کو جلا بخشی اور علوم سے پُر کیا۔**

دنیاوی لحاظ سے تو آپ کی تعلیم شاید پرائمری تھی بلکہ یہ بھی نہیں تھی۔ ہاں سکول جاتے رہے لیکن امتحانوں میں حضرت مصلح موعودؓ نے خود لکھا ہے، بتایا ہے کہ کبھی پاس نہیں ہوتے تھے۔ دنیاوی مضمونوں میں بہت کمزور تھے لیکن

**اللہ تعالیٰ نے آپؓ سے ایسے ایسے علمی اور دینی اور انتظامی کام کروائے ہیں کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے بھی آپؓ کے سامنے طفلِ مکتب لگتے ہیں، بالکل بچے لگتے ہیں اور آپؓ کا باون سالہ دورِ خلافت اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔**

آپؓ نے دنیا کے مختلف موضوعات پر بے شمار تقاریر کیں، مضامین لکھے۔ دینی اور قرآنی علوم کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔ آپؓ نے دنیاوی موضوعات پر بھی، ملکی سیاست، بین الاقوامی سیاست کے بارے میں تقاریر کیں، مضمون لکھے۔ تاریخی حوالے سے غیر معمولی معیار کے مضامین لکھے اور تقاریر کیں۔ اقتصادی امور اور دنیا کے مختلف نظاموں سوشلزم، کمیونزم، کیپٹل ازم کے بارے میں بھی ان کا تجزیہ کیا اور ایک تقریر کی جو بعد میں کتابی صورت میں بھی چھپ گئی۔ یہ جماعت کے لٹریچر میں موجود ہے۔ حتیٰ کہ عسکری

معاملات، فوجی معاملات اور سائنسی اور علمی موضوعات پر بھی علم و معرفت کی وہ باتیں بیان فرمائیں کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بہت سی تقاریر آپؓ نے غیروں کے سامنے کیں اور وہ ان کی گہرائی اور معرفت کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکے۔ ہزاروں صفحات پر یہ مضامین اور تقاریر حاوی ہیں..... آپؓ نے

## ”ترکی کا مستقبل اور مسلمانوں کا فرض“

کے نام پر ایک مشورہ دیا، اس پر تبصرہ کیا اور یہ 1919ء کی بات ہے یعنی آپؓ کی خلافت کے ابتدائی دور کی۔ اس کا خلاصہ یا تعارف یہ ہے کہ اتحادِ ملت کے ہر موقع سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے لیے حضورؓ نے ایسے وقت میں جبکہ ترکیہ حکومت خطرے میں تھی نہایت مدبّرانہ راہنمائی کرتے ہوئے 18 ستمبر 1919ء کو یہ کتاب تحریر فرمائی۔ مختلف الخیال مسلمانوں کے اتحاد و اجتماع کے لیے آپؓ نے یہ راہنما اصول بیان فرمایا کہ ”میرے نزدیک اس جلسہ کی بنیاد صرف یہ ہونی چاہئے“ ایک جلسہ ہونا تھا وہاں ترکی حکومت کے حق میں ”کہ ایک مسلمان کہلانے والی سلطنت کو... ہٹا دینا یا ریاستوں کی حیثیت دینا ایک ایسا فعل ہے جسے ہر ایک فرقہ جو مسلمان کہلاتا ہے ناپسند کرتا ہے اور اس کا خیال بھی اس پر گراں گزرتا ہے۔“ (ترکی کا مستقبل اور مسلمانوں کا فرض، انوارالعلوم جلد 4 صفحہ 435)

پھر آپؓ نے یہ بھی فرمایا کہ ترک سلطنت اور مرکزِ اسلام حجاز کے متعلق جو میری راہنمائی ہے وہ اس طرح ہے۔ آپؓ لکھتے ہیں کہ ”عرب کی غیرتِ قومی جوش مار رہی ہے اور اس کی حریت کی رگ پھڑک رہی ہے... تیرہ سو سال کے بعد اب وہ پھر اپنی چاردیواری کا آپ حاکم بنا ہے اور اپنے حسنِ انتظام اور عدل و انصاف سے اس نے اپنے حق کو ثابت کر دیا ہے۔ اس کے متعلق کوئی نئی تجویز نہ کامیاب ہو سکتی ہے نہ کوئی معقول انسان اس کو قبول کر سکتا ہے۔“

ترکیہ کی بہتری کے لیے آپؓ نے ایک یہ مشورہ بھی دیا کہ ”صرف جلسوں اور لیکچروں سے کام نہیں چل سکتا، نہ روپیہ جمع کر کے اشتہاروں اور ٹریکٹوں کے شائع کرنے سے... بلکہ ایک باقاعدہ جدوجہد سے جو دنیا کے تمام ممالک میں اس امر کے انجام دینے کے لیے کی جاوے۔ یہ زمانہ علمی زمانہ ہے۔“ آپؓ فرماتے ہیں ”یہ زمانہ علمی زمانہ ہے اور لوگ ہر ایک بات کے لیے دلیل طلب کرتے ہیں... پس اس مشکل کام کو پورا کرنے کے لیے باقاعدہ انتظام ہونا چاہئے... بے فائدہ کام دانا کا کام نہیں۔“

(ترکی کا مستقبل اور مسلمانوں کا فرض، انوارالعلوم جلد 4 صفحہ 441)

**یہی بات آج بھی مسلمانوں کو سوچنی چاہئے یہ تو اس زمانے میں صرف ترکی حکومت سے تعلق تھا۔ آج پہلے سے بڑھ کر مسلمان دنیا اور عرب دنیا کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ صرف نعرے لگانے سے، میٹنگیں کرنے سے کام نہیں بنے گا۔ عملی اقدام اٹھانے پڑیں گے۔**

ترکوں یا اسلام کے خلاف بغض و تعصب کی وجہ بیان کرتے ہوئے آپؓ نے فرمایا کہ ”آباؤ اجداد سے ان کے دل میں“ یعنی اسلام مخالف لوگوں کے دلوں میں ”اسلام کی نسبت اس قدر بدظنیاں بٹھائی گئی ہیں کہ وہ اسلام کو ایک عام مذہب کے طور پر خیال نہیں کرتے بلکہ ایک ایسی تعلیم خیال کرتے ہیں جو انسان کو انسانیت سے نکال کر جانور اور وہ بھی وحشی جانور بنا دیتی ہے... اسلام کے سوا دوسرے مذاہب سے وہ ڈرتے نہیں... مگر قابل نفرت نہیں سمجھتے مگر اسلام سے وہ خوف کھاتے ہیں۔“ یعنی جو اسلام مخالف لوگ ہیں ”اس کی ترقی کو تہذیب و شائستگی کے رستہ میں روک ہی نہیں خیال کرتے بلکہ خود انسانیت کے لیے اسے مہلک یقین کرتے ہیں۔“

(ترکی کا مستقبل اور مسلمانوں کا فرض، انوارالعلوم جلد 4 صفحہ 445، 446)

اور آجکل تو اس پر پہلے سے زیادہ زور دیا جا رہا ہے۔ ہر جگہ ہر ملک میں جو رائٹ وِنگ (rightwing) ہیں یا دوسرے، وہ اسلام کے خلاف بڑی مہم چلا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف مہم چلا رہے ہیں۔ اس صورتحال کی تبدیلی کے لیے یہ راہنمائی فرمائی کہ

**”مسلمان اپنی غلطی سے تائب ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور خود اسلام کو سمجھیں اور اس کی حقیقت سے آگاہ ہوں اور**

**دوسروں کو آگاہ کریں تا کہ وہ نکبت وادبار جو اس وقت مسلمانوں پر آرہا ہے وہ دُور ہو...اگر مذہب کی خاطر انہوں نے تبلیغ نہیں کی، اگر خدا کے حکم کے ماتحت انہوں نے اس بے نظیر تعلیم کو دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا۔" عملاً تو یہی ہوا ہے ناں۔ اسلام انہوں نے کب پیش کیا ہے "تو اب اپنی حیات کے قیام کے لیے ہی کچھ کوشش کریں۔" زندہ رہنا ہے تو اس کے لیے کچھ کوشش کریں "کیونکہ ان کی زندگی اور اسلام کی تبلیغ اب لازم وملزوم ہو گئے ہیں۔"** (ترکی کا مستقبل اور مسلمانوں کا فرض، انوار العلوم جلد 4 صفحہ 448)

پس یہی اصول آج بھی مسلمانوں کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ نہیں تو اسلام مخالف دنیا مسلمان ممالک کے گرد گھیرا تنگ کرتی چلی جائے گی اور کر رہی ہے۔

پھر ایک موقع پیدا ہوا **آل مسلم پارٹیز کانفرنس** کا۔ اس پر آپؓ نے "آل مسلم پارٹیز کانفرنس کے پروگرام پر ایک نظر" کے عنوان سے ہدایات دیں۔ یہ پمفلٹ حضور نے آل انڈیا مسلم پارٹیز کانفرنس کے اجلاس میں پیش کرنے کے لیے 13 جولائی 1925ء کو تحریر فرمایا۔ منتظمین کانفرنس کی خواہش تھی کہ امام جماعت احمدیہ بنفس نفیس اس میں شریک ہو کر اپنے خیالات کا اظہار فرماویں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے تحریر فرمایا کہ میں خود اس میں شمولیت سے معذور ہوں لیکن اپنے نمائندوں کے ذریعہ سے اپنے خیالات پیش کر دیتا ہوں۔ اس پمفلٹ میں حضور نے سب سے پہلے اسلام کی مذہبی اور سیاسی تعریف بیان فرمائی اور فرمایا کہ اسلام کی ایک تو مذہبی تعریف ہے جس کا ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ جو چاہے اس کی تعریف کرے۔

دوسری اسلام کی سیاسی تعریف ہے۔ سیاسی طور پر کون لوگ مسلمان ہیں؟ اس کا جواب صرف ہندو عیسائی اور سکھ ہی دے سکتے ہیں جن سے مسلمانوں کا سیاسی واسطہ پڑتا ہے کیونکہ اگر ایک جماعت کے پیرو جو خود کو مسلمان کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں ان کو دوسرے فرقہ کے لوگ خواہ غیر مسلم ہی سمجھیں لیکن سیاست میں ہندو اور سکھ جب ان سے معاملہ کریں گے تو ان سے ایک ہی معاملہ کریں گے اور جو کارروائی وہ ایک قوم کے خلاف کریں گے وہی دوسری قوم کے خلاف بھی کریں گے۔ ہر فرقے کو انہوں نے مسلمان سمجھ کے کرنا ہے۔ پس سیاستاً ان کے مفاد ایک ہیں اور مسلمانوں نے اس نکتہ کو نہ سمجھا تو دوسرے ایک ایک کر کے ان کو کھا جائیں گے اور ان کو اس وقت ہوش آئے گی جب ہوش آنے کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہو گا۔ اس لیے حضورؓ نے تمام مسلمان فرقوں کے سامنے یہ زریں اصول پیش کیا کہ سیاسی معاملات میں مسلمان مکمل اتحاد اور یکجہتی کا مظاہرہ کریں کیونکہ سیاسی لحاظ سے اگر آپ کسی قوم کو الگ کر دیں گے تو یہ کیسے ممکن ہے وہ دوسری قوموں کی طرف رجوع نہ کرے۔

اس کے بعد اسلام کی ترقی اور ترویج اور اس کے سیاسی استحکام کے لیے بعض تجاویز دیں اور فرمایا کہ اسلام کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ تمام ملک ہند میں اسلام کی ترویج کے لیے تبلیغی نظام مقرر کیا جائے اور تبلیغی انجمنوں کے باہم اتحاد کی کوئی راہ نکالی جائے کیونکہ اسلام کی زندگی تبلیغ پر ہی موقوف ہے اور اس کے لیے مکمل نظام وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ (اور اب تو اس کا دائرہ عمل ساری دنیا ہو چکی ہے۔) نیز مسلمانوں کی صنعتی اور تعلیمی میدان میں ترقی کے لیے باقاعدہ صیغہ جات قائم کیے جائیں۔ ہر صیغے کا مطمح نظر ہو اور سال کے آخر پر بتایا جائے کہ مطمح نظر کو کس حد تک پورا کیا گیا ہے۔ اب تو یہ اسلام کی بڑی بڑی حکومتوں کا کام ہے۔ نیز اس وقت فوری طور پر ایک ایسی کمیٹی کا قیام بھی ضروری ہے جو اس امر کا جائزہ لے کہ مسلمانوں کو دوسری قوموں کے اثر سے کس طرح آزاد کروایا جا سکتا ہے اور کون کون سے شعبہ ہائے زندگی ایسے ہیں جن میں ماہر مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے۔ پھر وہ کمیٹی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے کوشش کرے۔

اسی طرح حضرت مصلح موعودؓ نے مسلم بنک کے قیام کی ضرورت پر بھی زور دیا اور فرمایا کہ اگر بلا سود کی صورت نکل سکے جو کہ نکل سکتی ہے تو ہماری جماعت بھی اس میں شامل ہونے کے لیے تیار ہے اور آپؓ نے بیت المال اور مسلم چیمبر آف کامرس کے قیام

کی بھی تجویز دی نیز آپ نے جہاں غیر مسلم حکومتیں ہیں وہاں فوجداری مقدمات کے علاوہ مسلمانوں کے دیگر تنازعات کو عدالتوں میں لے جانے کی بجائے باہم مل کر تصفیہ کے لیے بھی پنچایتی نظام وضع کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

آپؓ نے فرمایا کہ قیام امن کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک دوسرے کے مذہبی معاملات میں دخل نہ دیا جائے۔ وسعتِ حوصلہ کے ساتھ دوسروں کو ان کے عقیدہ کے مطابق کام کرنے دیں اور خود اپنے عقیدہ کے مطابق کام کریں۔ حضور نے تجارت اور صنعت و حرفت کے متعلق فرمایا کہ تجارت ایسا شعبہ ہے جس سے مسلمانوں نے سب سے زیادہ تغافل برتا ہے اور تجارتی لحاظ سے وہ ہندوؤں کے غلام بن کے رہ گئے ہیں۔ اس زمانے میں تھے۔ اب تو ہمیں نظر آرہا ہے کہ ہم دنیا کے بڑے بڑے جو امیر لوگ ہیں، مختلف مذاہب کے جو لوگ تجارت میں ہیں، چاہے وہ یہودی ہیں، عیسائی ہیں یا کوئی اور ہیں ان کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ اس وقت یہی حالات تھے۔ آجکل اس معاملے میں دنیا کی حکومتوں اور تاجروں کے غلام ہم بن رہے ہیں جیسا کہ میں نے کہا۔ پس اس طرف مسلمان حکومتوں کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

**تجارت اور صنعت و حرفت میں بھی مسلمانوں کی ترقی کے لیے خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔**

آخر پر حضرت مصلح موعودؓ نے مسلمانوں کے باہمی تنازعات کو ختم کر کے باہم اتحاد اور یگانگت کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ پھر ایک دفعہ اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے میں اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ سب محنت رائیگاں اور سب تدبیریں عبث جائیں گی اگر اس امر کو اچھی طرح نہ سمجھ لیا گیا کہ ہم باوجود ایک دوسرے کو کافر کہنے کے اغیار کی نظروں میں مسلمان ہیں اور ایک کا نقصان دوسرے کا نقصان ہے۔ پس سیاسی میدان میں ہمیں مذہبی فتووں کو نظر انداز کر دینا چاہیے کیونکہ وہ ان کے دائرہ عمل سے خارج ہیں۔ اسلام ہرگز یہ نہیں کہتا کہ تم اپنی سیاسی ضروریات کے لیے ان لوگوں سے مل کر کام نہیں کر سکتے جن کو تم مسلمان نہیں سمجھتے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کے مقابلہ میں یہود سے سمجھوتہ کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان کہلانے والے فرقے اسلام کی سیاسی برتری بلکہ کہو کہ سیاسی حفاظت کے لیے اس میں مل کر کام نہ کر سکیں۔ اگر ہم اس موقع پر اتحاد نہ کر سکیں گے تو یقیناً اس سے یہ ثابت ہوگا کہ ہمارا اختلاف اسلام کے لیے نہیں بلکہ اپنی ذات کے لیے ہے، اپنے نفسوں کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بدبختی سے محفوظ رکھے۔ (ماخوذ از آل مسلم پارٹیز کانفرنس کے پروگرام پر ایک نظر، انوار العلوم جلد9 صفحہ 8 تا 10)

پاکستان اور بعض مسلمان ممالک میں عمومی طور پر تو یہی صورتحال ہے۔ خاص طور پر احمدیوں کے لیے یہ سوچ کہ یہ کافر ہیں، ویسے تو ہر فرقہ دوسرے فرقے کو بھی کافر کہتا ہے اور غیر مسلم دنیا میں اسی وجہ سے جو غلط تاثر پیدا ہو رہا ہے اور وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہا ہے۔

**پس اس نکتے کو آج بھی مسلمان حکومتوں کو اور مسلمانوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔**

ہندوستان کے حالات کے بارے میں، اس وقت جب پاک و ہند ایک تھے ایک گول میز کانفرنس ہوئی تھی اور مسلمانوں کی نمائندگی کا سوال اس میں اٹھا تھا۔ حکومت برطانیہ نے ہندوستان کی آزادی کے جائزے کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا تھا جس نے ہر دس سال بعد جائزہ لینا تھا کہ کس حد تک لوگوں کو یہ اختیار دیے جاسکتے ہیں کہ وہ علیحدہ حکومت قائم کریں۔ اس کے پہلے صدر ایک انگریز بیرسٹر تھے اس کمیشن کے صدر جن کا نام سر جان سائمن تھا۔ (ماخوذ از مسلمانانِ ہند کے امتحان کا وقت، انوار العلوم جلد 10 صفحہ 3،2)

بہرحال اس کمیشن اور ان فیصلوں پر مختلف وقتوں میں بحث کی جاتی رہی اور حضرت مصلح موعودؓ نے مختلف وقتوں میں راہنمائی فرماتے ہوئے اپنے تفصیلی خیالات بھی پیش کیے اور مسلمانوں کی راہنمائی بھی کی۔ اس سلسلہ میں ایک **گول میز کانفرنس** ہوئی جس کی تفصیل کا ہماری تاریخ میں حضرت مصلح موعودؓ کے حوالے سے ذکر ملتا ہے۔ ”حکومت برطانیہ کے قائم کردہ سائمن کمیشن کی رپورٹ

اہلِ ہند کی توقعات پر پوری نہ اتری اس لیے وہ انہیں قابلِ قبول نہ تھی۔ ان حالات میں حکومت کی طرف سے گول میز کانفرنس کے انعقاد کا اعلان ہوا'' اس کی تفصیل اس طرح ہے ''تاکہ برطانیہ اور ہندوستان کے نمائندگان ایک جگہ جمع ہو کر ہندوستان کے سیاسی ارتقاء کے بارے میں غور و فکر کر سکیں۔''

اس موقع پر حضورؓ نے **مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے فوری طور پر یہ مضمون تحریر فرمایا اور انہیں نصیحت کی کہ وہ باہمی تفرقہ اور اختلافات کو ترک کر دیں اور قومی مفاد کی خاطر اتفاق اور اتحاد سے کام کریں۔ صرف اسی طریق پر وہ مخالف قوم کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔**

انہیں کوشش کرنی چاہیے کہ کانفرنس میں ایسے نمائندے جائیں جو قوم کی نمائندگی کا حق ادا کر سکیں۔ حضورؓ نے اس موقع پر گورنمنٹ کو بھی مشورہ دیا کہ وہ سیاسی جماعتوں کے مشورہ سے نمائندوں کا انتخاب کرے تاکہ کانفرنس کے فیصلوں کو لوگ خوش دلی سے قبول کر لیں۔

مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے سلسلہ میں حضور نے فرمایا: ''میرے نزدیک آل مسلم پارٹیز کانفرنس کے لیے کام کا وقت ابھی آیا ہے۔ خالی اس امر کو شائع کر دینا کہ مسلمانوں کے یہ مطالبات ہیں کافی نہیں ہے۔ اگر ایسے لوگ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں گئے جنہوں نے ان مطالبات کو پسِ پشت ڈال دیا تو آل پارٹیز کانفرنس کے فیصلہ کی قیمت کچھ بھی باقی نہیں رہتی۔ پس یہی وقت ہے کہ وہ ایک طرف گورنمنٹ کو غلط انتخاب کے بدنتائج سے آگاہ کرے اور دوسری طرف پبلک کو اس کے خطرات سے واقف کرے اور اس وقت تک آرام نہ لے جب تک کہ مسلمانوں کی نمائندگی کا فیصلہ مسلمانوں کے منتخب نمائندوں اور ان کی اہم سیاسی انجمنوں کے ذریعہ نہ ہو۔'' (گول میز کانفرنس اور مسلمانوں کی نمائندگی، انوار العلوم جلد 11 صفحہ 194) اور یہ مشورے اس زمانے کے جو حالات تھے اس کے مطابق بہت سے حلقوں میں بڑی سنجیدگی سے لیے گئے۔

پھر ہندوستان کے اس وقت کے جو سیاسی حالات تھے ان کے حل کے بارے میں آپ نے مضمون لکھا۔ اس ضمن میں آپ نے مضمون میں اس وقت کے جو حالات تھے ان کا حل پیش کیا۔ ''سائمن کمیشن کی رپورٹ چھپنے کے کچھ دیر بعد'' اس رپورٹ کا بھی ذکر ہوا۔ ''حکومت برطانیہ نے لندن میں گول میز کانفرنس منعقد کرنے کا ارادہ کیا'' جیسا کہ ذکر ہوا ہے ''تاکہ ہندوستان کے سیاسی ارتقاء کے مختلف پہلوؤں پر غور کر کے آئندہ کے لیے لائحہ عمل تجویز کیا جائے۔'' چونکہ سائمن کمیشن نے مسلمانوں کے حقوق کو پوری طرح مدنظر نہیں رکھا تھا اس لیے حضورؓ کو تشویش تھی اور آپ چاہتے تھے کہ آئندہ مسلمانوں کے حقوق کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ اس لیے حضور نے مناسب سمجھا کہ اس موقع پر سائمن کمیشن رپورٹ پر تبصرہ کر کے اس کے نقائص واضح کیے جائیں اور ہندوستان کے مسائل کا ایسا حل پیش کیا جائے کہ آئندہ زمانے میں سب قومیں صلح اور آشتی سے باامن زندگی گزار سکیں۔

چنانچہ حضورؓ فرماتے ہیں: ''میں سمجھتا ہوں کہ گو ایک مذہبی آدمی ہونے کے لحاظ سے مجھے سیاست ملکی سے اس قدر تعلق نہیں ہے جیسا کہ ان لوگوں کو جو رات دن انہی کاموں میں پڑے رہتے ہیں لیکن اسی قدر میری ذمہ داری صلح اور آشتی پیدا کرنے کے متعلق زیادہ ہے اور نیز میں خیال کرتا ہوں کہ شورش کی دنیا سے علیحدہ ہونے کی وجہ سے میں شاید کئی امور کی تہ کو زیادہ آسانی سے پہنچ سکتا ہوں بہ نسبت ان لوگوں کے کہ جو اس جنگ میں ایک یا دوسری طرف سے شامل ہیں۔ پس اس وقت جبکہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے اعلان کی وجہ سے لوگوں کی توجہات مسئلہ ہندوستان کے حل کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔'' اس زمانے میں یہ بہت بڑا ایشو تھا۔ ''میں بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنے خیالات دونوں ملکوں کے غیر متعصب لوگوں کے سامنے رکھ دوں۔'' (ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسئلہ کا حل، انوار العلوم جلد 11 صفحہ 246) حضور نے اپنے تبصرہ میں مسلمانوں کے حقوق اور مطالبات پر سیر حاصل بحث کی اور ان کی معقولیت

کو اجاگر کیا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے ہندوستان کے سیاسی مسائل کا نہایت معقول اور تسلی بخش حل پیش کیا۔ اس جامع و مانع تبصرہ کا انگریزی ایڈیشن میں شائع کرنے کے لیے فوراً شائع کر کے انگلستان پہنچا دیا گیا تا کہ گول میز کانفرنس میں شامل ہونے والے اسے پڑھ کر فائدہ اٹھا سکیں۔ مسلمان نمائندوں کو خاص طور پر اس سے فائدہ پہنچا۔ چنانچہ انہوں نے پہلی بار متفقہ طور پر کامیابی سے اپنے مطالبات کانفرنس میں پیش کیے۔ فائدہ ہوا اس زمانے میں۔ جس کا انگلستان کے صاحب رائے لوگوں پر گہرا اثر ہوا اور وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی خصوصی حیثیت کے قائل ہو کر ان کے مطالبات کی معقولیت اور افادیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔

حضورؓ کی یہ کتاب ہندوستان اور انگلستان دونوں جگہ بہت مقبول ہوئی اور اسے بڑی دلچسپی اور توجہ سے پڑھا گیا اور کئی مدبّر سیاستدانوں اور صحافیوں نے شاندار الفاظ میں حضور کو خراج تحسین پیش کیا۔

(تعارف کتاب، ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسئلہ کا حل، انوار العلوم جلد 11 صفحہ 19،18)

تاریخ احمدیت میں کئی واقعات درج ہیں۔ یہ تبصرہ جیسا کہ میں نے کہا دونوں حلقوں میں بڑا مقبول ہوا۔ بڑی توجہ سے پڑھا گیا اور اس کے چند نمونے پیش کرتا ہوں:

لارڈ میسٹن (Meston) سابق گورنر یوپی کہتے ہیں ”میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے امام جماعت احمدیہ کی نہایت دلچسپ تصنیف ارسال فرمائی۔“ یہ بھیجنے والے کو لکھ رہے ہیں۔ ”میں نے قبل ازیں بھی ان کی چند تصنیفات دلچسپی سے پڑھی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کا پڑھنا میرے لیے خوشی اور فائدے کا موجب ہو گا۔“ (تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 214)

لیفٹیننٹ کمانڈر کینورڈی (Kenworthy) ممبر پارلیمنٹ کہتے ہیں ”کتاب ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل کے ارسال فرمانے پر آپ کا بہت بہت ممنون ہوں۔ میں نے اسے بہت دلچسپی سے پڑھا ہے۔“ (تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 214)

سر میلکم ہیلے (Malcolm Hailey) گورنر صوبہ یوپی اور سابق گورنر پنجاب لکھتے ہیں: ”(امام مسجد لندن) اس کتاب کے لیے جو آپ نے امام جماعت احمدیہ کی طرف سے میرے نام بھیجی ہے میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ میں جماعت احمدیہ کے حالات سے خوب واقف ہوں اور اس روح کو خوب سمجھتا ہوں اور قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں جسے لے کر وہ ہندوستان کے اہم مسائل کے حل کے لیے کام کر رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب میرے لیے مفید ہو گی اور میں اسے نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھوں گا۔“

(تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 215)

پھر سر ہون او ملر (Sir Hone O. Millar) کہتے ہیں کہ ”اس چھوٹی سی کتاب کے ارسال کے لیے جس میں مسئلہ ہند کے حل کے لیے امام جماعت احمدیہ کی تجاویز مندرج ہیں میں تہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

**سائمن کمیشن کی تجاویز پر یہی ایک مفصل تنقید ہے جو میری نظر سے گزری ہے۔**

میں ان تفصیلات کے متعلق کچھ عرض نہ کروں گا جن کے متعلق اختلاف رائے ایک لازمی امر ہے لیکن میں اس اخلاص، معقولیت اور وضاحت کی داد دیتا ہوں جس سے کہ ہز ہولی نس (امام جماعت احمدیہ) نے اپنی جماعت کے خیالات کا اظہار کیا ہے اور میں ہز ہولی نس ”حضرت مرزا بشیر الدین“... کی بلند خیالی سے بہت متاثر ہوا ہوں۔“ (تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 215)

پھر آنریبل پیٹرسن (Peterson) سی ایس آئی سی آئی ای کہتے ہیں ”کتاب ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل کے ارسال کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے ابھی تک اس کے ختم کرنے کی فرصت نہیں ملی۔ امید ہے کہ چند دنوں میں ختم کر لوں گا لیکن جس قدر میں نے پڑھا ہے اس سے ضرور اس قدر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تصنیف موجودہ گتھی کے سلجھانے کے لیے ایک دلچسپ اور قابل قدر کوشش ہے۔ مسلمانوں کا نقطہ نظر اس میں بہت وضاحت سے پیش کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ میں آپ سے جلد ملوں گا۔“ (تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 217)

آگے لکھ رہے ہیں بھیجنے والے کو۔

ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب علی گڑھ کے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ”میں نے جناب کی کتاب نہایت دلچسپی سے پڑھی۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کی یورپ میں بہت اشاعت فرمائیں۔ ہر ایک ممبر پارلیمنٹ کو ایک ایک نقل ضرور بھیج دی جائے اور انگلستان کے ہر مدیر اخبار کو بھی ایک ایک نسخہ ارسال فرمایا جائے۔ اس کتاب کی ہندوستان کی نسبت انگلستان میں زیادہ اشاعت کی ضرورت ہے۔ جناب نے اسلام کی ایک اہم خدمت سرانجام دی ہے۔“(تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 218)

اب یہ غیر احمدی لکھ رہے ہیں کہ اسلام کی خدمت سرانجام دی ہے اور یہاں یہ غیر احمدی کہتے ہیں کہ احمدی غیر مسلم ہیں۔

سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون صاحب ایم ایل اے کراچی کہتے ہیں

”میری رائے میں سیاست کے باب میں جس قدر کتابیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں ان میں کتاب ”ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل“ بہترین تصانیف میں سے ہے۔“(تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 218)

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال لکھتے ہیں کہ

”تبصرہ کے چند مقامات کا میں نے مطالعہ کیا ہے نہایت عمدہ اور جامع ہے۔“(تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 218)

اخبار انقلاب لاہور نے لکھا۔ ”جناب مرزا صاحب نے اس تبصرہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ یہ بڑی بڑی اسلامی جماعتوں کا کام تھا جو مرزا صاحب نے انجام دیا۔“(تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 218)

اخبار سیاست لاہور لکھتا ہے کہ ”مذہبی اختلافات کی بات چھوڑ کر دیکھیں تو جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے میدان تصنیف و تالیف میں جو کام کیا ہے وہ بلحاظ ضخامت و افادہ ہر تعریف کا مستحق ہے اور سیاست میں اپنی جماعتوں کو عام مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو چلانے میں آپ نے جس اصول عمل کی ابتدا کر کے اس کو اپنی قیادت میں کامیاب بنایا ہے وہ بھی ہر منصف مزاج مسلمان اور حق شناس انسان سے خراج تحسین وصول کر کے رہتا ہے۔ آپ کی سیاسی فراست کا ایک زمانہ قائل ہے کہتا ہے کہ آپ کی سیاسی فراست کا ایک زمانہ قائل ہے اور نہرو رپورٹ کے خلاف مسلمانوں کو مجتمع کرنے میں سائمن کمیشن کے روبرو مسلمانوں کا نکتہ نگاہ پیش کرنے میں مسائل حاضرہ پر اسلامی نکتہ نگاہ سے مدلل بحث کرنے اور مسلمانوں کے حقوق کے استدلال سے مملو کتابیں شائع کرنے کی صورت میں آپ نے بہت ہی قابلِ تعریف کام کیا ہے۔ زیرِ بحث کتاب سائمن رپورٹ پر آپ کی تنقید ہے جو انگریزی زبان میں لکھی گئی ہے جس کے مطالعہ سے آپ کی وسعت معلومات کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کا طرز بیان سلیس اور قائل کر دینے والا ہوتا ہے آپ کی زبان بہت شستہ ہے۔“(تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 219)

یہ تھے کچھ تبصرے۔ پھر

**دنیا کی موجودہ بے چینی کا اسلام کیا علاج پیش کرتا ہے؟**

اس بارے میں بھی آپؓ نے لکھا۔

## عالمگیر امن کے بارے میں

جو تقریریں ہوئی تھیں... خلاصۃً بیان کر دوں کہ ”حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے عالمگیر امن کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ پر معارف تقریر 9 اکتوبر 1946ء کو بوقت شام ساڑھے پانچ بجے 8 پارک روڈ دہلی کے وسیع صحن میں ارشاد فرمائی۔ اس تقریر کو سننے کے لیے کئی سو غیر احمدی اور غیر مسلم معززین تشریف لائے اور انہوں نے نہایت توجہ اور سکون کے ساتھ حضور کی تقریر کو سنا۔ یہ تقریر پہلی دفعہ مورخہ 15 اپریل 1961ء کو الفضل میں شائع ہوئی“ بہر حال۔ ”...اس تقریر کے بارے میں اخبار ”تیج“ دہلی نے اپنی 14 اکتوبر 1946ء

کی اشاعت میں حسب ذیل نوٹ شائع کیا: ''احمدیوں کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ امن اور شانتی کا مسئلہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ خود انسان کیونکہ انسانی فطرت کے ساتھ اس کا نہایت گہرا تعلق ہے۔ اگر اس کا قیام مطلوب ہے تو اس کے لیے جذبہ دشمنی و نفرت کو ختم کرنا پڑے گا۔ مسئلہ سیاسی نہیں ہے بلکہ اخلاقی ہے اور اگر ہم خدا کی خدائی سے باخبر ہوں اور روٹی کا پیار، لالچ وغیرہ کو چھوڑ دیں تو اس کے بعد ہم میں نفرت اور لالچ کے بجائے برادری اور محبت کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں۔ مذہبی دنیا کے اختلافات ختم ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ہم ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرنا سیکھیں۔ اور اپنے اندر قوتِ برداشت پیدا کریں۔ جس طرح مذہبی معاملات میں تحمل کی ضرورت ہے ٹھیک اسی طرح دنیا داری کے معاملات میں بھی اس کا ہونا لازمی ہے'' مسلمانوں اور ہندوؤں کے زمانے میں بھی یہ مسئلہ عیسائیوں کے ساتھ بھی کافی تھا۔ فرمایا کہ ''ہمیں قومیت و رنگ کے جھگڑوں کو ختم کر کے عالمگیر برادری کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے۔''

(الفضل 21 اکتوبر 1946ء بحوالہ تعارف کتاب، دنیا کی موجودہ بے چینی کا اسلام کیا علاج پیش کرتا ہے؟، انوار العلوم جلد 18 صفحہ 12،11)

تو یہ مختصر تعارف تھا ان کے اس مضمون کا۔ پھر ایک مضمون آپ نے اس اعتراض پر لکھا کہ

**ہمارا فرض ہے کہ مظلوم قوم کی مدد کریں چاہیں وہ ہمیں ماریں یا دکھ پہنچائیں۔**

دہلی کے اخبار کے بیان پر یہ تبصرہ تھا۔ دہلی کے اخبار نے لکھا تھا کہ احمدی پاکستان کی حمایت کر رہے ہیں حالانکہ ان کے ساتھ دوسرے مسلمانوں نے اچھا سلوک نہیں کیا۔ بھڑکا رہا ہے احمدیوں کو کہ احمدی پاکستان کی حمایت کرتے ہیں حالانکہ مسلمان ان سے اچھا سلوک نہیں کرتے۔ پھر یہ لکھتا ہے کہ جب پاکستان بن جائے گا تو مسلمان پھر ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو کابل میں ان کے ساتھ ہوا تھا اور اس وقت احمدی کہیں گے کہ ہمیں ہندوستان میں شامل کر لو۔ یہ اخبار نے تبصرہ کیا۔

حضرت مصلح موعودؓ نے 16 مئی 1947ء کو نماز مغرب کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم مظلوم قوم کی مدد کریں چاہے وہ ہمیں ماریں یا دکھ پہنچائیں۔ نیز آپ نے فرمایا کہ ہمارا دشمن اگر ہمارے ساتھ ظلم اور بے انصافی بھی کرے تو ہم انصاف سے کام لیں گے۔ حضور کے اس خطاب کو قادیان میں بھی کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔

(ماخوذ از ہمارا فرض ہے کہ ہم مظلوم قوم کی مدد کریں چاہے وہ ہمیں ماریں یا دُکھ پہنچائیں۔ انوار العلوم جلد 18 صفحہ 19)

**آجکل بھی بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ حضرت مصلح موعودؓ نے کیوں پاکستان میں شامل ہونے کی حمایت کی تھی۔ تو یہ خطاب اس کا جواب ہے۔ اس وقت کے حالات میں مسلمانوں کی مدد کی ضرورت تھی اور جماعت ہمیشہ مسلمانوں کی مدد کے لیے صفِ اوّل میں ہے۔**

حضرت مصلح موعودؓ نے یہ انکار نہیں کیا کہ جماعت سے یہ ظلم نہیں ہو گا۔ آپؓ نے فرمایا کہ جو بھی ہو اس وقت مسلمانوں کو مدد کی ضرورت ہے اور احمدیوں کو ساتھ دینا چاہیئے کیونکہ ہم نے مسلمانوں کا ساتھ دینا ہے۔

## پاکستان کے مستقبل کے بارے میں لیکچرز:

حضرت مصلح موعودؓ نے پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں پاکستان کا مستقبل کے موضوع پر بصیرت افروز لیکچرز ارشاد فرمائے جن میں لاہور کے بڑے بڑے دانشور سکالرز اور اہل علم حضرات شامل ہوئے اور ان لیکچرز پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ پہلے پانچ لیکچرز مینارڈ ہال لاہور اور چھٹا لیکچر یونیورسٹی ہال لاہور میں ارشاد فرمایا۔ کہتے ہیں کہ اس زیر نظر لیکچر میں جو 7 دسمبر 1947ء کو مینارڈ ہال لاہور میں ارشاد فرمایا اور وقت کی کمی کے باعث اس مضمون کے کئی حصے بیان کرنے سے رہ گئے تھے لہٰذا حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی یادداشت پر اس مضمون کو افادہ عام کرنے کے لیے بعد میں الفضل میں بھی شائع کروایا جو 9 دسمبر 1947ء کے روزنامہ الفضل جو لاہور سے شائع ہوتا تھا اس میں شائع ہوا۔ حضور نے اپنے اس خطاب میں نباتی، زرعی، حیوانی اور

معنوی دولت کے لحاظ سے پاکستان کو کیسے ترقی دی جاسکتی ہے اس کے زریں اصول بتائے، تجاویز دیں اور مشوروں سے نوازا۔(ماخوذ از پاکستان کا مستقبل، انوار العلوم جلد 19 صفحہ 8)بڑا مشہور ہوا یہ لیکچر۔

**دستورِ اسلامی یا اسلامی آئین اساسی۔**

اس بارے میں آپ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ قادیان سے لاہور ہجرت کے بعد پاکستان کے مستقبل کے موضوع پر آپؓ نے جو لیکچر دیے یہ لیکچر ان میں سے آخری لیکچر ہے جو حضور نے یونیورسٹی ہال لاہور میں جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے دستورِ اسلامی یا اسلامی آئین اساسی کے موضوع پر دیا۔ یہ لیکچر افادۂ عام کے لیے اس وقت 18 فروری 1948ء کو ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا گیا اور اب بھی انوارالعلوم کی جلد 19 میں موجود ہے۔ اس خطاب میں حضور نے دستور اسلامی کی وضاحت کرتے ہوئے اس پہلو پر روشنی ڈالی کہ پاکستان میں کس قسم کا آئین یا دستور نافذ ہونا چاہیے۔ چنانچہ آپؓ فرماتے ہیں۔ پس اگر پاکستان کی constitution میں مسلمان جن کی بھاری اکثریت ہو گی یہ قانون پاس کر دیں کہ پاکستان کے علاقے میں مسلمانوں کے لیے قرآن اور سنت کے مطابق قانون بنائے جائیں گے۔ اس کے خلاف قانون بنانا جائز نہیں ہو گا تو گو اساس حکومت کلّی طور پر اسلامی نہیں ہو گا کیونکہ وہ ہو نہیں سکتا مگر حکومت کا طریق عمل اسلامی ہو جائے گا اور مسلمانوں کے متعلق اس کا قانون بھی اسلامی ہو جائے گا اور اسی کا تقاضا اسلام کرتا ہے۔ اسلام ہرگز یہ نہیں کہتا کہ ہندو اور عیسائی اور یہودی سے بھی اسلام پر عمل کرایا جائے بلکہ وہ بالکل اس کے خلاف ہے۔

(ماخوذ از دستورِ اسلامی یا اسلامی آئین اساسی، انوار العلوم جلد 19 صفحہ 10،11)

وہ تو ہر مذہب کو، ہر کسی کو آزادی دیتا ہے۔

**آج یہ لوگ کہتے ہیں کہ اسلامی ملک میں اسلامی آئین اور قانون ہے۔ اس کی ابتدا اور مشورہ تو حضرت مصلح موعودؓ نے دیا تھا۔ لیکن عملاً**

اسلام کے نام پر ظلم کیا جا رہا ہے جبکہ آپؓ نے اسلامی تعلیم کے مطابق عملدرآمد اور آئین بنانے کی طرف توجہ دلائی تھی جیسا کہ میں نے بتایا۔ اگر احمدی اتنے ہی اسلام کے خلاف ہیں جیسا کہ آجکل کا ملاں کہتا ہے تو پھر اس مشورے اور توجہ کی آپ کو کیا ضرورت تھی۔ بہرحال

**آج کل تو ملک کو نام نہاد ملاں یرغمال بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ملک میں کوئی رجل رشید پیدا کرے جو ان کے غلط منصوبوں سے ملک کو نجات دے اور ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔**

پھر ایک مضمون ہے کہ

**پاکستان ایک اینٹ ہے اُس اسلامی عمارت کی جسے ہم نے دنیا میں قائم کرنا ہے۔**

یہ لیکچر آپ نے ٹاؤن ہال کوئٹہ میں دیا تھا۔ مصلح موعودؓ نے پاکستان بننے کے معاً بعد پاکستان کا مستقبل کے موضوع پر لاہور میں چھ لیکچر دیے تھے جیسا کہ ذکر ہوا ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضور مغربی پاکستان کے دوسرے متعدد مرکزی شہروں میں تشریف لے گئے اور پاکستان کے ہزاروں باشندوں کو استحکامِ پاکستان کے موضوع پر اپنے بصیرت افروز خیالات اور تعمیری افکار سے روشناس کرایا۔ جون 1948ء میں حضور کوئٹہ تشریف لے گئے اور کوئٹہ میں نہایت معلومات افزا اور روح پرور پبلک لیکچر فرمائے جن میں پاکستان کو پیش آمدہ اہم ملکی مسائل میں اہل پاکستان کی راہنمائی کرتے ہوئے نہایت شرح و بسط سے، بڑی تفصیل سے انہیں اپنی قومی اور ملی ذمہ داریوں کی بجاآوری کی طرف توجہ دلائی اور اپنے پُرجوش اور محبت بھرے الفاظ میں بے پناہ قوتِ ایمانی اور ناقابلِ تسخیر عزم و ولولہ سے لاکھوں پژمردہ اور غمزدہ دلوں میں زندگی اور بشارت کی ایک زبردست روح پھونک دی۔ یہ خطاب حضرت مصلح موعودؓ نے 4 جولائی

1948ء کو ٹاؤن ہال کوئٹہ میں پاکستان اور اس کے مستقبل کے موضوع پر ارشاد فرمایا تھا۔ یہ مارچ 1952ء میں الفضل میں شائع ہوا اور اس کا لوگوں پر بڑا اثر ہوا۔

(ماخوذ از پاکستان ایک اینٹ ہے اُس اسلامی عمارت کی جسے ہم نے دنیا میں قائم کرنا ہے، انوار العلوم جلد 19 صفحہ 19)

## پاکستان کی ترقی اور اس کے استحکام کے سلسلہ میں زرّیں نصائح

11 نومبر 1949ء کو جماعت احمدیہ سرگودھا نے کمپنی باغ میں ایک پبلک جلسہ منعقد کیا تھا۔ اس زمانے میں تو جلسے کر سکتے تھے۔ اب تو ہم اپنے تربیتی جلسے بھی نہیں کر سکتے۔ یہ جلسہ اس لحاظ سے ایک ممتاز خصوصیت کا حامل تھا کہ اس میں پہلی بار سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سرگودھا اور مضافات کے ان ہزارہا احمدی اور غیر احمدی احباب کو جو اس تقریب میں شمولیت کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے اپنی قیمتی نصائح اور ہدایات سے مستفیض فرمایا اور انہیں اسلامی احکام پر عمل پیرا ہونے اور پاکستان کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی طرف نہایت دلآویز پیرائے میں توجہ دلائی۔ حضور کی تقریر اول سے آخر تک انتہائی دلچسپی، پورے انہماک اور توجہ کے ساتھ سنی گئی۔ حضور نے پاکستان کی حفاظت اور سلامتی کا خیال رکھنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

**”ہم نے خود کہا تھا کہ خدایا! ہمیں یہ ملک دے۔ اب اس کو صحیح طور پر قائم رکھنا اور اسے ترقی دینا ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہم اپنے فرائض کو نہیں سمجھیں گے تو ہم شرمندہ ہوں گے اس جہان میں بھی اور اگلے جہان میں بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کہے گا کہ میں نے تمہیں یہ ملک دیا تمہارے مطالبے پر مگر تم نے اسے ضائع کر دیا۔“**

آجکل یہی ملاں ضائع کرنے پہ لگے ہوئے ہیں۔ ”پاکستان کی آمدن بڑھانے کے لیے آپ نے تمام طبقہ ہائے زندگی کے لوگوں کو دیانتداری سے اپنے ٹیکس ادا کرنے اور پاکستان کی حفاظت کے لیے زیادہ سے زیادہ نوجوانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی تلقین فرمائی۔ ان دنوں اخباروں میں یہ چرچا تھا کہ گورنمنٹ پاکستان اسلام کی حکومت قائم کرنے کے لیے کچھ نہیں کرتی ہم نے تو پاکستان اسلام کے لیے مانگا تھا۔ اس کے متعلق بصیرت افروز ارشادات فرمائے اور آخر پر ارشاد فرمایا کہ ”محض نعرے لگا لینا کسی قوم کی کامیابی کی علامت نہیں ہوتی۔ اگر اس وقت سارے لوگ نعرہ تکبیر بلند کرنے لگ جائیں گے۔ اگر اس وقت سارے لوگ یہ کہنے لگ جائیں گے کہ پاکستان زندہ باد۔ ہندوستان مردہ باد تو اس سے ہندوستان کی ایک چوہیا بھی نہیں مرے گی۔“ صرف نعرے سے تو کچھ بھی نہیں مرے گا۔ ”لیکن اگر سب لوگ ان باتوں پر عمل کرنے لگ جائیں جن کا ابھی میں نے ذکر کیا ہے“ جو تقریر میں ذکر فرمایا تھا۔ ”تاجر ٹیکس دینے لگ جائیں۔ عوام الناس بغیر ٹکٹ کے ریل کا سفر نہ کریں۔ نوجوان بیہودہ باتوں میں اپنا وقت ضائع کرنے کی بجائے تعلیم میں ترقی کریں اور جو مضبوط نوجوان ہیں وہ فوجوں میں بھرتی ہوں اور افسر رشوت خوری کی عادت کو ترک کر دیں اور تمام کام دیانتداری اور محنت سے کریں تو پاکستان عملی رنگ میں مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔“ لیکن آجکل تو پہلے سے بڑھ کر اس کے خلاف ہو رہا ہے۔ پھر آپؓ فرماتے ہیں کہ ”پھر آپ ایک دفعہ بھی پاکستان زندہ باد نہ کہیں نتیجہ یہی نکلے گا کہ پاکستان زندہ باد۔“

(تعارف کتاب، پاکستان کی ترقی اور اس کے استحکام کے سلسلہ میں زریں نصائح، انوار العلوم جلد 21 صفحہ 18 تا 20)

چاہے نعرہ لگاؤ یا نہ لگاؤ۔ بہرحال پاکستان زندہ باد کا عملی ثبوت ملے گا۔

## عسکری مضامین

بھی بہت سارے ہیں۔ ”روس اور موجودہ جنگ“ کے حوالے سے ایک نمونۃً میں نے لیا ہے۔ جنگ عظیم دوم میں روس کا پولینڈ میں داخل ہونا، اس کے اوپر یہ تبصرہ ہے۔

”جنگِ عظیم دوم کے دوران جب روس پولینڈ میں داخل ہوا تو اس وقت حضرت مصلح موعودؓ نے یہ مضمون تحریر فرمایا۔ 21 ستمبر 1939ء کے روزنامہ الفضل قادیان میں شائع ہوا۔ حضور نے اس مضمون میں روس کے پولینڈ میں داخلہ کی وجوہات اور مقاصد کا تجزیہ کرتے ہوئے تبصرہ فرمایا کہ روس پولینڈ کو تقسیم کرنا چاہتا ہے۔ اس کی نیت ٹھیک نہیں لگتی۔ اس نے جرمنی کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا ہے اور اپنی فوجیں پولینڈ بھیجنے پر مُصِر اس لیے ہے کہ جرمنی کے لیے پولینڈ پر قبضہ کے لیے سہولت پیدا کر دے اور بغیر خونریزی کے پولینڈ کی حکومت ختم ہو جائے۔ اگر اس طرح کامیابی نہ ہو تو اس معاہدے کے ذریعہ جرمنی پولینڈ پر حملہ کر دے۔ اگر دوسری اقوام دخل نہ دیں تو ٹھیک ورنہ جرمنی پولینڈ کو کچل دے اور دونوں ممالک اس کو تقسیم کر لیں۔ نیز اس مضمون میں حضور نے اس جنگ کے بعد کے حالات پر روشنی ڈالی اور اپنی بصیرت اور فراست سے اتحادیوں کو مفید مشورے دیئے۔“ (تعارف کتاب، روس اور موجودہ جنگ، انوار العلوم جلد 15 صفحہ 13،14) اور بڑے عمدہ مشورے تھے۔ تبھی پولینڈ بچ گیا۔

## بہر حال بین الاقوامی حالات پر بھی آپؓ کی گہری نظر تھی

جیسا کہ میں نے کہا اور اس سلسلہ میں آپ کے اَور بھی مضامین ہیں۔ دینی لٹریچر تفاسیر جیسا کہ میں نے کہا کہ غیر معمولی تعداد میں ہیں۔ خطبات جمعہ اور جماعتی جلسوں اور موقعوں پر تقاریر تو علم و عرفان کا ایک خزانہ ہے۔

**تفسیر کبیر پرانی پہلے دس جلدوں میں تھی اور اب آپؓ کے نوٹس سے اس میں مزید کچھ شامل کیا گیا ہے تو پندرہ جلدوں میں نئی چھپ چکی ہے اور مضامین مزید تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ پھر اور مزید سورتوں کی تفسیر میں بھی بعض نوٹس آپ کے ملے ہیں جن کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ شاید جب ان کو شائع کیا جائے تو اس کی بھی تیس جلدیں بن جائیں گی کیونکہ تیس ہزار صفحات ہیں۔**

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے پیشگوئی میں جو وعدہ فرمایا تھا اسے ہر پہلو سے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد میں پورا ہوتا دکھایا۔ چند مثالیں میں نے ابھی آپ کو دی ہیں۔

**آپؓ کے علم و عرفان کے اس لٹریچر کو ہمیں پڑھنے کی بھی کوشش کرنی چاہیئے اور بہت ساری ایسی باتیں ہیں جو آجکل کے حالات میں بھی منطبق ہو رہی ہیں اور اس سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔**

اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 21 فروری 2025ء۔ بشکریہ روزنامہ الفضل انٹرنیشنل مورخہ 14 مارچ 2025ء صفحہ 2 تا 7)

# اِنْسَانُ الْعُيُوْن فِيْ سِيْرَةِ الْاَمِيْنِ الْمَأْمُوْن

# سیرت حلبیہ

مصنفہ علامہ علی ابن برہان الدین حلبی (متوفی 1044ھ / 1634ء)

اے۔ صادق

## مصنف کا تعارف:

**نام اور ولدیت:** آپ کا پورا نام نورالدین بن برہان الدین علی بن ابراہیم بن احمد بن علی ہے۔

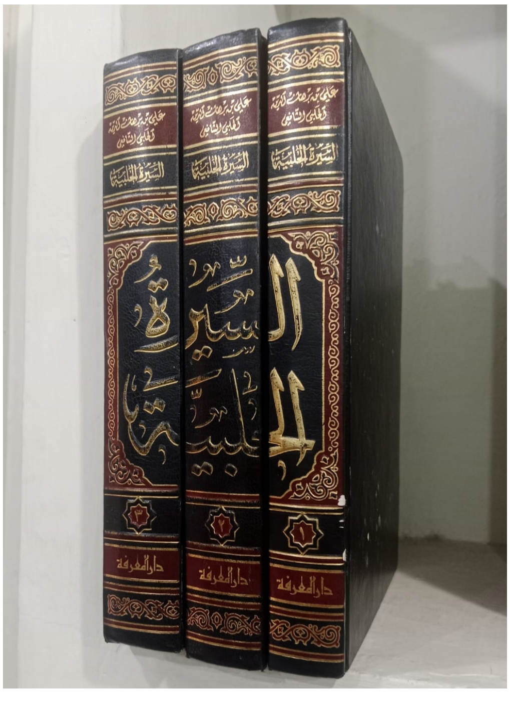
**لقب:** نورالدین **کنیت:** ابوالحسن **پیدائش:** آپ کی پیدائش مصر میں 975ھ / 1567ء میں ہوئی۔

علامہ علی بن برہان الدین الحلبیؒ کا شمار اپنے زمانے کے ممتاز محدثین اور فقہائے کرام میں ہوتا ہے۔ چونکہ آپ شہر حلب سے تعلق رکھتے تھے اس نسبت سے حلبی کہلائے۔

## تحصیل علم و اساتذہ کرام:

آپ نے اپنے دور کے بڑے بڑے علماء سے علم حاصل کیا۔ آپ کو زبردست اور ٹھوس علم کی وجہ سے امام کعبہ اور علامہ زماں کہا گیا۔ آپ کے وسیع علم اور مطالعہ کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آپ علم کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہیں اور علم کا ایک ایسا سمندر ہیں جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

شیخ سلطان مزاحیؒ ان کے دور میں زبردست عالم اور شیخ تھے مگر جب کبھی ان کے پاس علامہ حلبیؒ کا گزر ہو جاتا تو اپنے درس سے اٹھ کر نہایت پرتپاک استقبال کرتے، علامہ حلبیؒ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے اور اپنی مسند جہاں پر وہ درس دیا کرتے تھے علامہ حلبی کو بٹھاتے۔




## دیگر تصانیف:

آپ بہت سی بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں جو مقبول اور مفید خاص و عام ہوئیں۔ ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

1۔ النصيحة العلوية في بيان حسن طريقة السادة الاحمدية۔ یہ کتاب علم تصوف کے بارہ میں ہے۔

2۔ عقد المرجان فيما يتعلق بالجان۔

3۔ فرائد العقود العلوية في حل الفاظ شرح الازهرية في النحو۔

4۔ زهر المزهر في مختصر المزهر لغت کے بارہ میں کتاب ہے۔

## وفات:

آپ نے 69 سال کی عمر میں 1044ھ میں مصر میں وفات پائی۔ اور مصر کے قبرستان مجاورین میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

(السیرۃ الحلبیہ، جلد 1 صفحہ 3 دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان 2008ء)
(مصادر سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 459، 460 از ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی، مکتبہ دارالنور)

## سیرت حلبیہ:

سیرت حلبیہ جو علامہ علی بن برہان الدین الحلبی کی تصنیف ہے۔ اس کا اصل نام

"اِنْسَانُ الْعُیُوْن فِیْ سِیْرَةِ الْاَمِیْنِ الْمَأْمُوْنِ"

ہے۔ مگر مصنف کے نام کی نسبت سے اسے سیرت حلبیہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ سیرت طیبہ کے موضوع پر مفصل کتب میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ گو کہ ترتیب و تحقیق میں یہ اتنی اعلیٰ درجہ کی کتاب نہیں ہے جیسا کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے رضی اللہ عنہ اس کتاب کے بارہ میں لکھتے ہیں:

**"جامعیت کے لحاظ سے تاریخ خمیس اور سیرۃ الحلبیہ کا میں نے جواب نہیں دیکھا مگر افسوس تحقیق سے خالی ہیں... یہ کتاب جو تین جلدوں میں ہے اور عرف عام میں سیرۃ حلبیہ کے نام سے مشہور ہے نہایت جامع کتاب ہے مگر افسوس کہ ترتیب چنداں دلکش نہیں ہے۔"** (سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ 44)

## مآخذ و مصادر:

علامہ حلبی نے سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، طبری، ابن سعد، دلائل النبوۃ، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰؐ اور دیگر معروف کتب سے استفادہ کیا ہے۔ سیرت کے ساتھ ساتھ فقہی و کلامی مسائل پر بھی بحث کی گئی ہے۔ جو اسے محض تاریخی کتاب کی بجائے ایک علمی اور تحقیقی تصنیف کا درجہ دیتی ہے۔

## حدیث و روایت کا التزام:

کتاب میں سیرت رسول ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر احادیث مبارکہ کے حوالہ جات اکٹھے گئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی غزوات و سرایا کی تفصیل بھی نہایت خوبصورت انداز میں بیان کی گئی ہے۔ اور ان کے ضمن میں جنگی حکمت عملی، معاہدات اور سفارتی تعلقات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

## شمائل نبوی اور معجزات:

سیرت حلبیہ میں آنحضرتؐ کی جسمانی صفات، اخلاق و شمائل، خصائص اور معجزات کو بھی نہایت خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے جو عشق رسول کے متوالوں کیلئے ایک روح پرور مطالعہ ہے۔

## روایات کی تنقید اور موازنہ:

مصنف نے مختلف کتب سیرت میں پائے جانے والے اختلافات کا جائزہ لیا ہے اور بسا اوقات ایک روایت کو دوسری سے تقابل کر کے قدرے مستند بات کو ترجیح دی ہے۔

## سیرت حلبیہ کے ابواب اور ان کا تعارف

پہلے حصہ میں کل 25 ابواب ہیں۔ آنحضرتؐ کا نسب نامہ اور خاندان کے بارہ میں ہے۔ حضرت عبد المطلب، حضرت عبد اللہ اور حضرت آمنہ کے حالات، ولادت باسعادت کے معجزات اور بشارتیں۔ نیز آپ کی رضاعت کرنے والی خواتین کا ذکر ہے۔

شق صدر کے واقعہ کا بیان، آنحضرتؐ کی والدہ کی وفات، ام اَیمن کی نگرانی اور حضرت عبد المطلب کی کفالت، حضرت ابو طالب کے ساتھ ملک شام کا سفر، بحیراء راہب کا واقعہ۔ جاہلیت کی برائیوں سے حفاظت، برہنگی پر ممانعت و تنبیہ، لہو و لعب میں شرکت سے الٰہی حفاظت، حرام گوشت کھانے سے حفاظت، بت پرستی اور شراب سے حفاظت۔

آنحضور ﷺ کے بچپن سے لے کر دعویٰ نبوت کے پہلے تک حالات اور پھر دعویٰ نبوت کے بعد حبشہ کی ہجرت سے قبل تک کے واقعات درج ہیں۔

اس کے اگلے حصہ کا آغاز ہجرت حبشہ سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہجرت مدینہ کا ذکر ہے اور پھر غزوات کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ اس جلد میں غزوہ بنی مصلطق تک کا بیان ہے۔

تیسرے حصہ میں غزوہ خندق سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری غزوہ تبوک تک کا ذکر موجود ہے۔ اس کے بعد ایک باب ''باب السرایا'' کا باندھا ہے۔ صحابہ کی فوجی مہمات جو آپؐ نے بھجوائیں ان کا ذکر ہے، کل سرایا کی تعداد 47 ہے۔

غزوات و سرایا کے علاوہ ان اہم مضامین کا بھی ذکر اس جلد میں ہے:

آنحضرتؐ کے پاس مختلف وقتوں میں وفود کا آنا، بادشاہوں کے نام فرامین رسالت۔

اس کے بعد حجۃ الوداع کا ذکر ہے۔ نیز آنحضرتؐ کے معجزات، اور اولاد، چچا اور پھوپھیاں کا ذکر ہے۔

ازواج مطہرات رضوان اللہ علیھن کا بھی ذکر موجود ہے۔

آنحضرتؐ کے محافظ و پہرے دار، نیز آنحضور ﷺ کے آزاد کردہ غلاموں اور آپؐ کے کاتبین کا بھی ذکر موجود ہے۔ نیز آنحضرتؐ کے ہتھیار اور سواریوں کا ذکر بھی ہے۔

اس کے بعد آپؐ کی ظاہری صفات اور حلیہ مبارک کا بیان ہے۔ اور آخر میں آنحضرتؐ کی بیماری اور وفات کا ذکر ہے۔

(السیرۃ الحلبیہ، جلد 1 صفحہ 4، 5 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان 2008ء)

(مصادر سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 463 تا 471 از ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی، مکتبہ دار النور)

# مستشرقین و دیگر کے اعتراضات اور ان کے جوابات

## از افاضات امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت مرزا مسرور احمد صاحب

## خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

ع۔س۔اختر

# إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

## قرآن کریم کی حفاظت اللہ تعالیٰ کا وعدہ

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں:

**اعتراض:** ''ایک سیاسی لیڈر جن کا نام خیرت ولڈرز (Greet Wilders) ہے...نے ایک بیان دیا... کہ سورۃ 9 آیت 5 میں آپ دیکھتے ہیں کہ کس طرح عیسائیوں، یہودیوں اور مرتدوں کے خلاف تشدد پر اکسایا گیا ہے۔ اکثر آیات ایک دوسرے کی ضد ہیں...

پھر لکھتے ہیں قرآن میں حکومت اور مذہب کی علیحدگی کا کوئی تصور نہیں ہے، اس سے آپ انکار نہیں کر سکتے کہ نہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) ایک تشدد پسند شخصیت تھے بلکہ قرآن خود بھی متشددانہ خیالات پر مبنی کتاب ہے۔''

**اس اعتراض کے جواب میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں:**

**جواب:** ''صاف ظاہر ہے کہ بغض اور کینے نے انہیں اتنا اندھا کر دیا ہے کہ قرآن پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور قرآن کو یہ لوگ ویسے بھی پڑھتے ہی نہیں، ادھر ادھر سے سنی سنائی باتیں کرتے ہیں اور قرآن تو خیر کیا پڑھنا تھا، یہ تاریخ کو بھی مسخ کر رہے ہیں۔ جو ان سے بہت زیادہ علم رکھنے والے عیسائی تھے وہ بھی جو اعتراض نہیں کر سکے انہوں نے وہ اعتراض بھی کر دیا۔ پتہ نہیں کہاں کہاں سے یہ اعتراض ڈھونڈ نکالے ہیں۔ سورۃ مائدہ نہ صرف مدنی سورۃ ہے بلکہ اس بارے میں ساری روایتیں یہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری سال میں یہ نازل ہوئی تھی اور اس میں دشمنی اور تشدد کو ختم کرنے کی اور انصاف قائم کرنے کی کیا ہی خوبصورت تعلیم ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ مدینے میں آکر تشدّد کی تعلیم بڑھ گئی۔ یہ آخری سورۃ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نازل ہوئی اس کی تعلیم کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ (المائدہ:9) کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو، تم انصاف کرو، یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اب یہ دکھائیں، یہ خوبصورت تعلیم ان کے یا کسی اور مذہب میں کہاں ہے۔ لیکن جن کو بغض اور کینے نے اندھا کر دیا ہو، ان کو سامنے کی چیز بھی نظر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ نے تو پہلے ہی

فرمادیا ہے کہ جو اندھے ہیں ان کو تم نے راستہ کیا دکھانا ہے، ان کو تم نے روشنی کیا دکھانی ہے، کوشش کر لو، نہیں دکھا سکتے۔

پھر یہ صاحب کہتے ہیں کہ سورۃ توبہ کی آیت 5 میں عیسائیوں، یہودیوں اور مرتدوں کے خلاف تشدد پر اکسایا ہے۔ اگر آنکھوں کے پردے اتار کر دیکھیں، قرآن کریم کو صاف دل ہو کر پڑھیں تو خود ان کو نظر آئے گا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین سے جنگ کی اجازت دی ہے جو باز نہیں آتے، کسی قسم کا معاہدہ نہیں کر رہے، ملک میں فساد پھیلا رہے ہیں۔ اور اب جبکہ اسلامی حکومت قائم ہو گئی تو حکم ہے کہ ایسے مشرکین سے جو تم سے جنگ کر رہے ہیں تم بھی جنگ کرو کیونکہ وہ تمہارے خلاف فتنہ فساد اور جنگ کی آگ بھڑکا رہے ہیں مختلف قبائل کو بھی بھڑکا رہے ہیں اور صرف یہی نہیں جس طرح یہ فرماتے ہیں کہ سب کو قتل کر دینا ہے بلکہ اس میں قید کا بھی حکم ہے کہ قید کرو، ان کو محصور کرو، ان پر نظر رکھو، تاکہ وہ ملک میں فتنہ وفساد کی آگ نہ بھڑکائیں۔"

(خطبات مسرور جلد 5 صفحہ 344 تا 346)

**اعتراض:** "بعض جگہ لوگوں نے ایک نئی طرز پہ تحقیق شروع کی ہے۔ یہ لوگ ثابت کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں کہ قرآن کریم بھی اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے۔

**جواب:** تو جتنی چاہے یہ کوششیں کر لیں اللہ تعالیٰ کے وعدے کو کبھی جھوٹا نہیں کر سکتے... قرآن کریم کی تعلیم تو تمام قسم کی تعلیموں اور ضابطۂ حیات کا مجموعہ ہے۔ روحانیت کے اعلیٰ معیاروں کی یہ تعلیم دیتی ہے۔ اخلاق کے اعلیٰ معیاروں کی تعلیم دیتی ہے۔ ہر معمولی عقل رکھنے والے اور اعلیٰ فہم وادراک رکھنے والے کے لئے اس میں بیان ہے۔ پس اس میں ایک یہ بھی بات ہے کہ اگر تمہیں سمجھ نہیں آتی تو اعتراض کرنے کی بجائے اپنی عقلوں پر روؤ، نہ کہ قرآن پر اعتراض کرو۔ قرآن کی تعلیم تو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے لیکن اس کو سمجھنے کے لئے پاک دل ہونا ضروری ہے۔" (خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 96، 97)

## قرآن کریم کی حفاظت:

قرآن کریم کی اصل حالت میں حفاظت کی، اللہ تعالیٰ کے قرآن کریم کے بارے میں اس اعلان کی میں بات کر رہا تھا ہمیشہ اس کی حفاظت کروں گا۔ بعض مستشرقین جو ہیں جو اسلام کے خلاف توڑ مروڑ کر بھی پیش کرتے ہیں ان سے بھی یہ تائید کروائی ہے۔ انہوں نے بھی بالآخر مجبوراً یہ لکھا ہے۔

چنانچہ جان برٹن (John Burton) کی ایک کتاب «The collection_id of The Quran» ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔ تھوڑا سا حصہ میں پڑھتا ہوں کہ

"ہم تک پہنچنے والا متن بعینہٖ وہی ہے جو خود نبی (کریم ﷺ) کا مرتبہ اور مصدقہ ہے۔ چنانچہ آج ہمارے پاس جو کتاب ہے (یعنی قرآن) یہ دراصل مصحف محمدی ہی ہے۔"

(John Burton, The collection of The Quran, Cambridge University Press,1997. Pg. 239-240)

پھر H.A.R Gibb لکھتے ہیں کہ:

"یہ ایک نہایت قوی حقیقت ہے کہ (قرآن کریم میں) کسی قسم کی کوئی تحریف ثابت نہیں کی جا سکی۔ اور یہ حقیقت بھی بہت قوی ہے کہ محمد (ﷺ) کے بیان فرمودہ الفاظ کو اصل حالت میں مکمل احتیاط کے ساتھ اب تک محفوظ رکھا گیا ہے۔"

(H.A.R.Gibb, Muhammadanism, London, Oxford University Press 1969, Pg. 50)

سر ولیم میور بہت بڑے مستشرق ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

”دنیا کے پردے پر اور کوئی ایسا کام نہیں کہ جس کا متن بارہ صدیوں کے بعد بھی صحیح ترین حالت میں ہو۔“
(Sir William Muir, Life of Mahomet, London 1878. Pg. 558)

ڈاکٹر مورس بکائے (The Bible ,The Quran and Science) میں لکھتے ہیں۔ فرنچ سے ٹرانسلیشن ہے کہ:

”آج کے دور میں مہیا ہونے والے قرآن کریم کے تمام نسخے اصل متن کی دیانتداری سے کی گئی نقول ہیں۔ قرآن کے معاملہ میں اب تک کے شب و روز میں تحریف و تبدل کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔“

The Bible, The Quran and Science, Translation from French by Alstair D.Pannel and The Author under)
(heading Conclusion, Pg. 102

پھر نولڈیکے جو بہت بڑے مستشرق تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

”اس کے علاوہ ہمارے پاس ہر ایک قسم کی ضمانت موجود ہے اندرونی شہادت کی بھی اور بیرونی کی بھی کہ یہ کتاب جو ہمارے پاس ہے وہی ہے جو خود محمد (ﷺ) نے دنیا کے سامنے پیش کی تھی اور اسے استعمال کیا کرتے تھے۔“

(بحوالہ تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ 16)

پھر لکھتے ہیں کہ:

”ممکن ہے کہ تحریر کی کوئی معمولی غلطیاں ہوں۔“یعنی طرز تحریر میں ہوں تو ہوں، یہ ان کا طرز ہے شک میں ڈالنے کے لئے بہر حال۔”لیکن جو قرآن عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اس کا مضمون وہی ہے جو محمد نے پیش کیا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) گو اس کی ترتیب عجیب ہے۔ یورپ کے محققین کی وہ تمام کوششیں جو قرآن میں بعد میں بعض اضافہ جات ثابت کرنے کے لئے کی گئی تھیں قطعاً ناکام رہی ہیں۔“

(Encyclopaedia Britanica. Edition:1911. Under heading «Quran». Pg. 905)

اس طرح کے بہت سارے ہیں۔ پس یہی وہ کتاب ہے، اَلْکِتٰب ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خاتم الانبیاء پر اتری۔ اس میں تحریف کی نہ پہلے بھی کوئی کوشش کامیاب ہوئی نہ آئندہ ہو سکتی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں اس کی حفاظت کروں گا۔ یہ انسانوں کے ذریعہ ہمارے تک نہیں پہنچی بلکہ اللہ تعالیٰ نے انتظام فرمائے تھے کہ اس کی حفاظت کے سامان ہمیشہ ہوتے رہے۔ اور ان کی کوششوں کے باوجود نہ ہی کبھی یہ الزام لگ سکتا ہے کہ اس میں کسی زمانہ میں بھی کبھی ردّوبدل ہوئی۔“

(خطبات مسرور جلد 6 ص 18،19)

# حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی یادیں

# نشست ہمراہ مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب (مرحوم)

منعقدہ جامعہ احمدیہ

## حضرت مصلح موعودؓ ایک انسان سے زیادہ پوری کائنات تھے۔ ایک سمندر تھا

کسی شخص کے پوچھنے پر میں نے حضرت مصلح موعودؓ کے بارے میں اس شخص کو کہا کہ:

**میں نے اپنی مادی آنکھوں سے کسی نبی کو نہیں دیکھا مگر اس کے قریب ترین چیز جو میں نے دیکھی ہے وہ حضرت مصلح موعودؓ تھے۔**

حضرت مصلح موعودؓ کی خدا سے محبت کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ:

سوؤں تو تجھ کو دیکھ کر جاگوں تو تجھ پر ہے نظر
موت سے تھا کسے دریغ اس کا ہی انتظار تھا

حضرت مصلح موعودؓ نے ایک موقع پر فرمایا کہ کچھ لوگ مجھے نبی کہہ دیتے ہیں میں ہرگز نبی نہیں ہوں لیکن میں سوچتا ہوں کہ کیا جو محبت مجھے اللہ تعالیٰ سے ہے وہ کیا نبیوں سے کم ہے؟

## ایک اور واقعہ

(میں نے سنا ہوا ہے عینی شاہد نہیں) قادیان میں حضورؓ بیمار ہو گئے تھے اخبارات میں اعلانات بار بار ہوتے تھے۔ حضرت اماں جانؓ کی طرف سے باقاعدہ اعلان ہوتا تھا۔ میرا بیٹا محمود بیمار ہے۔ اس کے بعد حضور کو اللہ نے صحت دی اور آپ کھانے پر حضرت ام طاہر کے ہاں تشریف لے گئے تھے۔ اور بھی عزیز تھے۔ تو کھانے کی طرف حضور کی توجہ نہ تھی ناراضگی کا اظہار تھا۔ استفسار کرنے پر فرمایا کہ اچھا تھا کہ میں فوت ہو کر اللہ میاں کا دیدار کرتا تم لوگوں نے دعائیں کر کر کے مجھے پھر صحت دلوادی۔ دیدار کے جذبے میں یہ سب کچھ فرمایا اور کھانا نہیں کھایا اور چلے گئے۔

## دوسری بات دیکھنے والوں کا تاثر:

عظمت اور شوکت اور رفعت اور جلال کا احساس۔ یہ لگتا تھا کہ کوئی ہمالیہ پہاڑی کے نیچے کھڑا ہے۔ اور ابھی پہاڑ آپ کے اوپر گرے گا۔ مگر جب قریب سے دیکھے تو محبت اور شفقت اور احسان اور دلداری۔ اور یہ صرف میرا تاثر نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ (بخاری کتاب التیمم حدیث نمبر 335) ایک رعب، ایک عظمت تھی، ایک جلال تھا، ایک شوکت تھی، شان تھی۔

مجھے ایک نظارہ یاد ہے۔ میں جمعہ کے لئے کچھ لیٹ ہو گیا عام طور پر ہم حضرت صاحب کے پہنچنے سے پہلے پہنچ جایا کرتے

تھے۔میں کچھ لیٹ ہوا تو 5،6 آدمی حضورؓ کے ساتھ جا رہے تھے اور میں پیچھے کچھ فاصلے پر تھا۔تو میں نے ایک سرکاری ملازم کو دیکھا ڈاکخانہ کا ہو گا یا تار گھر کا ہو گا وہ سردیوں میں خاکی رنگ کی گرم وردی اس زمانے میں پہنا کرتے تھے۔وہ سائیکل پر تھا جب اس نے حضرت صاحب کو دیکھا تو اس نے سائیکل سے اتر کر فوراً سائیکل دیوار کے ساتھ لگایا اور حضور کی طرف (رخ کر کے) سجدے میں جھک گیا۔

**تو یہ رعب اور جلال تھا کہ ایک ہندو ملازم حضرت صاحب کو دیکھتا ہے اور سجدے میں گر جاتا ہے۔**

حضرت مسیح موعودؑ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اس (حضرت مصلح موعود) کو اپنے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔

## تیسرا تاثر: غیر معمولی ذہانت تھی۔

آپ اس کا تصور نہیں کر سکتے یہ بجلی چلتی چلتی بند ہو سکتی ہے حضرت مصلح موعودؓ کی ذہانت کبھی بند نہیں ہو سکتی۔

1955ء میں جب حضورؓ بیمار تھے اور لندن تشریف لائے تو مجھے سعادت ملی کے گھر وغیرہ ٹھیک کر دوں اور بھی بہت سارے عزیز تھے۔وہاں ایک سابق مبلغ تھا۔میں وہاں 6 مہینے رہا اور اس کو سمجھنے میں مجھے 6 ماہ لگے جب حضرت صاحب وہاں تشریف لائے تو اس شخص نے مجھے ایک خط دیا کہ یہ حضرت صاحب کو دے دوں میں نے وہ خط حضرت صاحب کو دیا۔ابھی حضرت صاحب نے اس خط کو پورا کھولا بھی نہیں اور بھیجنے والے کے بارے میں کہا کہ وہ شخص یہ چاہتا ہے (مطلب کہ جو اس نے لکھا تھا وہ حضرت صاحب اس کی چند سطور کو دیکھ ہی سمجھ گئے اور مجھے سمجھنے میں 6 ماہ لگ گئے تھے)

ایک غیر مسلم سکالر تھا جس کی کتاب kennath gray تھی اس سے میری ملاقات ہوئی اور حضرت صاحب کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ:

He was very impressive personality

بڑی عمر کا آدمی تھا اور اسلام مخالف پادری تھا۔

## چوتھی بات: حضور کا غیر معمولی علم قرآن تھا۔

علم قرآن اس طرح تھا جیسے کوئی ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہو۔

## پانچواں تاثر: غیر معمولی محنت۔

انسان تصور نہیں کر سکتا۔

ایک چھوٹی سی بات کہ رتن باغ میں حضور نماز عشاء کے بعد تیزی سے نیچے آئے اور وہاں چوہدری اسحاق صاحب حضور کے پہرہ دار تھے۔ان کو حضور نے فرمایا کہ دیکھو اسحاق میں ایک ضروری کام کر رہا ہوں مجھے یہ کام صبح لندن بھیجنا ہے۔اور مجھے کام کرتے ہوئے وقت کا اندازہ نہیں رہتا کہ کتنی دیر ہو گئی ہے۔تم ہر گھنٹے بعد آؤ اور مجھے بتا دو کہ اتنے بج گئے ہیں۔

یہ واقعہ اسحاق صاحب نے مجھے خود سنایا کہنے لگا میں 9 بجے گیا تو حضور کام کر رہے تھے 10 بجے گیا تو حضور کام کر رہے تھے 11 بجے گیا تو حضور کام کر رہے تھے 12 بجے گیا تو حضور کام کر رہے تھے 1 بجے گیا تو حضور کام کر رہے تھے 2 بجے گیا تو حضور کام کر رہے تھے 3 بجے گیا تو حضور کام کر رہے تھے 4 بجے گیا تو حضور کام کر رہے تھے 5 بجے گیا تو فرمانے لگے بس آؤ نماز شروع کرتے ہیں۔

مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب (فوت ہو گئے ہیں) حضور کے ساتھ کام کرنے کا ان کو بہت موقع ملا ہے تفسیر کبیر کے بہت سے حوالہ جات ان کے نکالے ہوئے ہیں۔جب میں پرنسپل تھا تو جامعہ میں ان کو بلایا تھا۔تو انہوں نے بہت سادگی سے تقریر میں کہا کہ: **"حضور کام کردے ہوندے سی تے سوندے صرف سویرے 5 وجے دے بعد سی۔تے 8 وجے اٹھ کے فیر کام شروع کر دیندے**

**ہوندے سی۔"(حضورؓ ساری رات کام کرتے رہتے اور صبح 5 بجے کے بعد سو کر 8 بجے پھر اٹھ کر کام شروع کر دیا کرتے تھے)**

مجھے میرے والد صاحب نے ایک بار کسی کام سے حضورؓ کی خدمت میں بھیجا۔ جب میں حضور کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ حضور نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور آگے ایک بڑا سا خطوط کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور 4،2 گز کے فاصلہ پر حضرت امّ طاہر بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کے آگے بھی ایک بڑا خطوط کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ حضور ایک خط کھولتے اس کو پڑھتے اور اوپر ہی جواب لکھ کر پرائیویٹ سیکرٹری کو بھیج دیتے اور اسی طرح جتنی دیر میں حضور خط پڑھ کر جواب لکھتے تو حضرت ام طاہر ایک خط کھولتیں اور حضور سے کہتیں کہ حضور اس میں یہ لکھا ہے حضور پھر اس کا جواب بھی لکھواتے جاتے تھے۔

جو میں سوال کرنے گیا تھا مجھے پہلے پیار کے انداز میں چھیڑا، پیار کیا، پیار کے انداز میں مذاق کیا اور اس کے بعد جو ابّا جی نے بات کہی تھی اسکا جواب لکھ دیا۔ اور ساتھ اپنا کام کر رہے تھے اور ٹیبل جتنا ڈھیر لگا ہوا تھا خطوط کا اور اتنا ہی ام طاہر کے آگے ڈھیر تھا اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔

میاں انس صاحب کے والد حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو اپنی خلافت کے پہلے سال 55 ہزار خط آیا تھا اسی پر بس نہیں۔ حضور نے سب خطوط خود پڑھے اور سب کا جواب بھی خود لکھوایا۔

## چھٹا تاثر: رات جاگنے اور محنت کے متعلق ہے۔

نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کا شعر ہے نا۔

قوم احمد! جاگ تو بھی جاگ اس کے واسطے
ان گنت راتیں جو تیرے درد میں سویا نہیں

یہ بالکل صحیح بات ہے۔

## ساتویں بات: حضور کی خطابت تھی۔

واہ کیا کہنے۔ میں نے ایسا خطاب نہ کبھی سنا نہ کبھی ایسے خطیب کو دیکھا۔ جو حضور کا خطاب تھا اس کو describe نہیں کر سکتا۔

## جود و عطا:

ہمارے والد صاحب فوت ہو گئے میں ابھی ابتدائی عمر میں تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے ہمیں سنبھال لیا۔ کوئی روٹی نہیں کھائی جو حضور کی دی ہوئی نہ ہو کوئی کپڑا نہیں پہنا جو حضور کا دیا گیا نہ ہو۔ کوئی جوتی نہیں پہنی جو حضور کا عطیہ نہ ہو۔ اور کوئی شادی نہیں کی اور ایک ہی شادی کی ہے وہ بھی حضور کا عطیہ تھا۔ (حضرت مصلح موعودؓ کی صاحبزادی بی بی امۃ المتین صاحبہ جو کہ میر صاحب کی بیگم تھیں)

## قبولیت دعا:

وہ تو خلفاء کا خاص کام ہے۔ ایک آدمی آیا سخت پریشان تھا۔ کہنے لگا حضور میری بیوی کی آنکھیں ایک دم بند ہو گئی ہیں۔ حضورؓ کی کیفیت یہ تھی کہ اِدھر اُدھر بے چینی سے ٹہل رہے تھے اور دعائیں کر رہے تھے اسی کیفیت میں فرمایا جاؤ۔ وہ شخص آدھے گھنٹے بعد واپس آیا اور کہنے لگا حضور آنکھیں کھل گئی ہیں۔

ہجرت کے وقت کا ایک واقعہ اس طرح ہے کہ جب قادیان سے اطلاع آتی تھی کہ قافلہ چل پڑا ہے۔ (حضور کے آنے کے بعد جو قافلے آئے ہیں) قافلے روز یا اکثر آتے تھے۔ جس وقت اطلاع آتی تھی کہ حضور قافلہ چل پڑا ہے حضور اس وقت چھوٹا قرآن

شریف پکڑ کر برآمدے میں ٹہلنا شروع کرتے تھے اس کو پڑھتے بھی جاتے تھے دعا بھی کرتے جاتے تھے ہدایات پرائیویٹ سیکرٹری کو بھی ساتھ ساتھ چلی جاتی تھیں۔ جب تک یہ اطلاع نہ آجائے کہ وہ قافلہ خیریت سے پاکستان کے بارڈر کے اندر آگیاہے۔ حضور برآمدے میں ٹہلتے رہتے تھے دعا کرتے جاتے تھے اور ساتھ کاموں کی بھی مصروفیت ہوتی تھی۔

## تہجد:

ایک جگہ خود لکھاہے کہ میں تین گھنٹے تہجد پڑھتاہوں۔ ایک مرتبہ قادیان کی بات ہے حضورؓ حضرت اماں جان کے دالان کے صحن میں کھڑے تھے اور حضرت چھوٹی آپا میری والدہ سے بات کر رہی تھیں انکی وہ چچی لگتی تھیں۔ باتیں کرتے کرتے کہنے لگیں کہ چچی جان! یہ (عورتیں اپنے خاوند کو "یہ" کہا کرتیں ہیں) جب تہجد پڑھ رہے ہوتے ہیں تو لگتاہے کہ کوئی اپنے ہاتھ پر جان رکھ کر خدا کے حضور پیش کر رہاہے۔ یہ کیفیت تھی۔

## آپؓ کی علمی قابلیت

علوم کے بارہ میں خود فرمایا دنیا کے کسی علم کا ماہر ترین آدمی میرے سامنے قرآن پر اعتراض کر دے میں اسکا جواب دوں گا۔

## دعویٰ مصلح موعود

مصلح موعود کا جو جلسہ ہوا تھا، مصلح موعود ہونے کے بارہ میں خواب تو حضور نے لاہور میں شیخ بشیر صاحب کے گھر میں دیکھا تھا۔ مگر اس کے بارہ میں جو خطبہ دیا تھا وہ قادیان میں مسجد اقصیٰ میں دیا تھا۔ مجھے ابھی تک وہ نظارہ یاد ہے میں کھڑا تھا۔

حضرت صاحب فرماتے تھے کہ میں نے حضرت مسیح موعودؑ کی وہ تحریرات پڑھی ہیں جو مصلح موعود کے بارہ میں تھیں۔ مگر حضور اپنے آپ کو مصلح موعود کہنے سے گھبراتے تھے جب تک مصلح موعود ہونے کا اعلان نہیں کر دیا۔ کہتے تھے مجھے جب تک خدا تعالیٰ نہیں کہے گا میں یہ اعلان نہیں کروں گا۔ لوگ کہتے بھی تھے پیغامی اعتراض کیا کرتے تھے۔

مجھے ابھی تک وہ نظارہ یاد ہے۔ مجھے یہ بھی یاد ہے جہاں میں کھڑا تھا اور خطبہ کے دوران ہی حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کہنے لگے سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا

اس پر حضرت میر اسماعیل صاحبؓ نے بھی یہ کہاہے کہ

مصلح موعود نے دعویٰ کیا جمعہ کے دن
جماعت نے بھی اٰمَنَّا کہا جمعہ کے دن

## وسعت مطالعہ:

بہت پہلے کی بات ہے یہ شیخ مبارک احمد صاحب کہتے کہ میں نے حضور سے سنا حضور فرماتے تھے کہ میں نے 18000 کتابیں پڑھی ہیں۔

ایک عیسائی کی کتاب میں پڑھ رہا تھا تو اس پر حضور کے کچھ نوٹس تھے چند صفحوں کے بعد وہ نوٹس ختم ہوگئے میں سمجھا کہ شاید یہاں حضور نے کتاب چھوڑ دی ہے مگر جب میں کتاب کے آخر پر پہنچا تو وہاں بھی نوٹس لکھے ہوئے تھے۔

وفات کے شاید دو ہفتے پہلے تک حبیب الرحمٰن صاحب تھے ٹی۔ آئی کالج میں ان کی دو کتب تھیں حضور وہ پڑھ رہے تھے حضور کے سرہانے ہوتی تھیں وہ۔

**نصیحت کا انداز بہت ہی عجیب تھا۔** جب بھی میں جاتا تھا پوچھتے تھے تمہارا نام محمود ہے؟ تو میں کہتا تھا جی حضور۔

میں نے ایک بار عرض کر دیا کہ حضور کے نام پر ہے میرا نام محمود تو جس طرح آدمی چونکتا ہے کہنے لگے میرا نام تو بشیر الدین محمود ہے اتنا بشیر الدین پر زور دیا کہ میں سمجھ گیا کہ مجھے نصیحت ہو رہی ہے کہ میرا نام رکھنا ہے تو پھر بشیر الدین بنو۔

**حضرت صاحب کو آرام طلبی اور نرم مزاجی بالکل پسند نہیں تھی** طبیعت مجاہدہ کرتی تھی اور پسند بھی کرتی تھی۔ میں جامعہ میں پڑھتا تھا دو مہینے پتا نہیں کس بات کی چھٹی تھی۔ مجھے ہر ایک نے کہنا شروع کر دیا میرے بھائی نے بھی والدہ صاحبہ نے بھی کہ میٹرک کا امتحان دے لو۔ ہمیں تو عادت تھی کہ تنکا بھی توڑنا ہے تو حضرت صاحب سے اجازت لینی ہے۔ تو میں نے ہاں نہیں کی۔ ہائی اسکول اس وقت چنیوٹ میں ہوتا تھا ربوہ نہیں آیا تھا۔ حضور نماز پڑھا کر واپس جا رہے تھے تو میں نے حضور سے عرض کی حضور لوگ مجھے کہتے ہیں کہ میٹرک کا امتحان دے لو۔ کچھ دیر سوچا۔ فرمایا ہاں میٹرک کا امتحان دے لو مگر یہ یاد رکھنا کہ اصل پڑھائی یہ ہی ہے۔ یعنی جامعہ کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمایا تھا۔

تو وہاں ہم نے جانا شروع کر دیا میں، میاں رفیع اور میرے بڑے بھائی میر مسعود ہم گاڑی (ٹرین) پر صبح چلے جاتے تھے اور محمود اللہ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر ہوتے تھے ان سے انگریزی پڑھتے تھے انہوں نے عربی رکھی ہوئی تھی میں سائنس پڑھتا تھا۔

حضرت صاحب کو پتا لگ گیا کہ یہ گاڑی پر جاتے ہیں۔ مجھے بلایا تین سائیکل کھڑے تھے۔ فرمایا تم گاڑی پر جاتے ہو؟ میں نے کہا جی حضور گاڑی پر جاتے ہیں۔ فرمایا تمہارے پاس سائیکل نہیں ہے؟ میں نے کہا نہیں ہے۔ تو تین سائیکل کھڑے تھے ان میں سے ایک سائیکل دیا کہ اس پر جایا کرو۔

**باتیں تو میں نے کر دی ہیں مگر آخر پر وہی بات کہ اس شخصیت کو بتانا اور سمجھانا کہ وہ شخصیت کیا تھی وہ ذرا مشکل کام ہے۔**

## نشست نمبر:2۔ ہمراہ محترم میر محمود احمد ناصر صاحب (مرحوم)

### منعقدہ جامعہ احمدیہ

میر صاحب نے سورہ الملک کی آیت نمبر 4،5 کی تلاوت کی۔

الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ۝ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیۡرٌ ۝

**ترجمہ:** وہی جس نے سات آسمانوں کو طبقہ در طبقہ پیدا کیا تو رحمان کی تخلیق میں کوئی تضاد نہیں دیکھتا پس نظر دوڑا کیا تو کوئی رخنہ دیکھ سکتا ہے۔ نظر پھر دوسری مرتبہ دوڑا، تیری طرف نظر ناکام لوٹ آئے گی اور وہ تھکی ہاری ہو گی۔

اگر مصلح موعودؓ کا میں تصور کرتا ہوں انکی عظمت کا انکی بلندی کا انکی پاکیزہ زندگی کا تو کسی نے وہ آیت پڑھی تھی میرا خیال ہے۔ میرے سامنے سورہ ملک کی آیت آجاتی ہے۔

یہ آیت تو کائنات کے متعلق ہے کہ وہ ہستی جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا ہے تہہ بہ تہہ رحمٰن کی تخلیق میں تم کوئی تَفٰوُتٍ نہیں دیکھو گے۔ فرق نہیں دیکھو گے۔ نظر ڈالو دیکھو، ڈھونڈو نظر آتا ہے کوئی نقص؟ چاند میں کوئی نقص نظر آتا ہے، سورج میں کوئی نقص نظر آتا ہے، کائنات کے اجرام میں کوئی نقص نظر آتا ہے؟ ایک جرم کائنات میں اس وقت اتنا بڑا موجود ہے کہ آج کے ہوائی جہازوں کی رفتار کے مطابق اگر اس کے ارد گرد جہاز چلایا جائے تو 1200 سال لگیں گے اتنا بڑا ہے۔ پھر تمہیں کوئی شبہ لگے کہ شائد کوئی نقص نکل آئے اچھا دوبارہ دیکھو دو دفعہ دیکھو تمہاری نظر تھک کر واپس آجائے گی نقص نہیں تم نکال سکو گے۔

حضرت مصلح موعود... انبیاء کو تو ہم نے دیکھا نہیں سچی بات ہے مادی آنکھوں سے تو نہیں دیکھا امریکہ میں ایک شخص نے مجھ سے

پوچھا مصلح موعودؓ کو آپ نے دیکھا ہے کیا کہیں گے ان کے بارہ میں۔ میں نے کہا کہ میں یہ کہوں گا کہ میں نے اپنی ان مادی آنکھوں سے کسی نبی کو نہیں دیکھا لیکن قریب ترین اگر کوئی چیز دیکھی ہے تو وہ مصلح موعود تھے۔ اپنی ذات میں ایک پوری کائنات تھے۔ اپنی ذات میں ایک پورا سمندر تھے۔ اب جس طرح قرآن شریف کہتا ہے دیکھ لو غور کر لو پوری کائنات پہ نظر ڈالو اور پھر اور پھر ڈالو ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ تمہاری نظر تھک کر واپس آجائے گی تم کوئی نقص تلاش نہیں کر سکو گے کوئی بھی رخنہ تلاش نہیں کر سکو گے 52 سال تک پیغامی اور غیر احمدی علماء نقص نکالنے کی کوشش کرتے رہے ہیں کوئی نقص نہیں نکال سکے۔

اب پوری کائنات کے متعلق انسان کیا کہہ سکتا ہے پوری کائنات تھے اتنا تنوع ہے اتنی وسعت ہے اتنی گہرائی ہے اتنا پھیلاؤ ہے کہ جس طرح کائنات کے متعلق آپ کچھ نہیں کہہ سکتے اس طرح حضرت مصلح موعودؓ کی شخصیت کے متعلق بھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔

آپ جب ان کے قریب جاتے تھے تو پہلا تاثر ان کی عظمت کا پڑتا تھا، شوکت کا پڑتا تھا، جلال کا پڑتا تھا، احترام کا پڑتا تھا۔ قریب جاؤ دیکھو تو عظمت اور شوکت کا احساس ہوتا تھا اور پھر جب محبت کے ساتھ ان کا سلوک ہوتا تھا تو کیفیت اور ہی ہوتی تھی۔ وہ ایک نرمی کا محبت کا جمال کا پہلو سامنے آجاتا تھا۔ تو پہلی بات جو قریب جانے پر حضور کی نظر آتی تھی ہمیں وہ آپ کا وقار تھا، آپ کا احترام تھا، آپ کی عظمت تھی، آپکی شوکت تھی۔ ہزاروں ہزار راکا پوشی کھڑی کر دیں وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

سن 42ء کی بات ہے ایک بار شدید بیمار ہو گئے تھے۔ حضرت اماں جانؓ کا بھی اعلان چھپتا تھا حضرت ام محمود کے نام سے، صدقے دیئے، لوگوں نے بکرے ذبح کیے دعائیں کیں حضرت صاحب کی صحت ہو گئی۔ کھانے پر حضرت ام طاہر کے گھر آئے بیٹھے کھانا آگے پڑا تھا مگر کھانا نہ کھایا عرض کیا گیا کہ حضور کھانا کیوں نہیں کھاتے (فرمایا) میں نے فوت ہو کر اللہ تعالیٰ کو دیکھنا تھا جاکے اور تم لوگوں نے دعائیں کر کر کے مجھے واپس بلا لیا ہے۔

اور اسی کا اظہار ہے شائد کہ:

سوؤں تو تجھ کو دیکھ کر جاگوں تو تجھ پر ہو نظر
موت سے تھا کسے دریغ اس کا ہی انتظار تھا

اسی نظم میں ہی شاید وہ ہے کہ

ہنستے ہی ہنستے روٹھ گئے تھے وہ ایک دن
(اللہ میاں سے نخرے کرتے)
ہم نے بھی روٹھ روٹھ کے ان کو منا لیا

**اللہ تعالیٰ سے محبت کی یہ کیفیت کہ کھانا کھایا ہی نہیں اور اٹھ کے چلے گئے۔ تم لوگوں نے دعائیں کر کر کے مجھے واپس بلا لیا ہے میں نے تو جا کے اللہ میاں کو دیکھنا تھا کیسا ہے اللہ میاں۔**

**ذہانت غیر معمولی تھی۔** ابھی آپ نے پڑھا بھی ہے کہ سخت ذہین و فہیم ہو گا اتنی غیر معمولی ذہانت کہ آدمی ان کے سامنے کانپ جاتا تھا۔ یہ بجلی بند ہو سکتی ہے، کرنٹ بند ہو سکتی ہے مگر وہاں ذہانت بند نہیں ہوتی تھی۔ ہر بات میں ہر فقرے میں ہر حرکت و سکون میں ذہانت سے بھرپور زندگی تھی غیر معمولی ذہانت تھی۔

**علم تھا کہ ٹھاٹھیں مارتا تھا۔** کبھی آپ کو توفیق ملتی وہ پانچ لیکچر سننے کی جو حضرت صاحب نے پاکستان آنے کے بعد پاکستان کے بارہ میں دیے تھے۔ قرآن و حدیث کا علم تو اپنی جگہ ہے وہ تو تھا ہی تھا۔ لیکن جس دن پاکستان کے ڈیفنس کے اوپر لیکچر دیا تو آدھا ہال اس طرح بھرا ہوا تھا فوجیوں سے وردیوں میں بیٹھے ہوئے تھے سب نے اپنی جیب سے کاپیاں نکال کے نوٹ لینے شروع کر دیے حالانکہ (حضورؓ) آٹھویں پاس بھی نہیں بلکہ پرائمری فیل تھے۔

کمانڈر انچیف کے متعلق میں نے سنا ہے جو بعد میں پاکستان کے صدر بھی بن گئے تھے۔ کوئٹہ میں انہوں نے کہا کہ مجھے تھا کہ عالم آدمی ہیں ڈیفنس کا کیا پتا ہو گا مگر ادھر جا کے آنکھیں کھل گئیں۔ یہ تو صرف ایک ڈیفنس (Defence) کی بات ہے فائنینس (Finance) کا بھی یہی حال تھا مالیات کا بھی یہی حال تھا دینی علوم تو اپنی جگہ سمندر تھے۔ تفسیر کبیر میں آپ مقطعات کے بارہ میں ہی پڑھ لیں یا کسی کو پڑھا دیں صرف مقطعات کے بارہ میں مضمون جو ہے تو وہ ہی کافی ہے۔ یا ایک مضمون 1907ء کا لکھا ہوا جب 20،15 سال کے نوجوان تھے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارہ میں۔ تو دینی علوم کی تو خیر کوئی حد ہی نہیں تھی۔

**حافظہ غیر معمولی تھا۔** ایسا حافظہ کہ صفحہ پڑھا اور رکھ دیا مگر سارا پرنٹ ہے دماغ میں حافظے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک حافظہ سمعی ہوتا ایک بصری ہوتا ہے۔ میرا حافظہ سمعی ہے جس کو کمزور حافظہ سمجھا جاتا ہے بصری حافظہ بہت اعلیٰ قسم کا ہوتا ہے۔ حضرت مصلح موعود کا حافظہ دونوں قسم کا تھا اور غیر معمولی تھا۔ لیکن ایک بات میں نے بھی نوٹ کی ہے کہ وہ اس طرح کا تھا کہ جس وقت اس بات کی ضرورت نہ ہوتی تھی تو یاد بھی نہیں ہوتی تھی کہ وہ بات کیا ہے۔ مولوی محمد احمد صاحب جلیل اور محمد احمد صاحب ثاقب دونوں ہمارے استاد تھے مولوی محمد احمد صاحب جلیل حدیث کے استاد تھے اور محمد احمد صاحب ثاقب فقہ کے استاد تھے تو کوئی بات ہوئی تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ مجھے نہیں پتا مولوی محمد احمد جلیل کون اور مولوی محمد احمد ثاقب کون ہے فقہ والا مجھے نہیں پتا۔

دوسرے ایک موقعہ پر ایک خط دفتر کو دیا کہ یہ مولوی محمد احمد صاحب کو بھجوا دیں۔ مگر انہوں نے غلط مولوی محمد احمد کو بھجوا دیا (میں ان دونوں کو کہا کرتا تھا کہ آپ دونوں میں سے صحیح کون تھا اور غلط کون تھا؟) وہ خط آ گیا واپس تو بہت تفصیل سے بتایا کہ دیکھو تمہیں عقل ہونی چاہیئے تھی کہ یہ خط اگر حدیث کے بارہ میں ہے تو مولوی محمد احمد صاحب جلیل ہیں حدیث کے استاد اور مولوی محمد احمد ثاقب فقہ کہ استاد ہیں اگر حدیث کے بارہ میں تھا تو تمہیں مولوی محمد صاحب جلیل کو بھجوانا چاہیے تھا تم نے مولوی محمد صاحب ثاقب کو دے دیا۔ تو اس وقت وہ ساری تفصیل یاد تھی۔ جب کام تھا اور جب کام نہیں تھا تو فرمایا مجھے نہیں پتا کون ہیں وہ۔ تو جب ضرورت ہوتی تھی تو حافظے کا دروازہ کھل جایا کرتا تھا۔ اور اس وقت پھر ساری تفصیلیں یاد ہوتی تھیں۔

**غیر معمولی قوت خطاب:** میں نے بیرونی دنیا کے خطبے بھی سنے ہیں، چرچل کی تقریریں بھی سنی ہیں (گو مجھے سمجھ نہیں آئی تھی) ہٹلر کی تقریر بھی جرمن زبان میں سنی ہے۔ یہاں بھی پاکستان میں بھی خطیب سنے ہیں۔ ایسا خطاب، ایسی تقریر میں نے کہیں نہیں سنی۔ ہمارے ابا جان بہت اچھے مقرر تھے لیکن حضرت صاحب سے بہت بعد بہت بعد۔ گو لوگ کہا کرتے تھے جیسے شیخ مبارک صاحب نے کہا تھا کہ ہماری جماعت کے بہت اچھے مقرر جیسے حضرت صاحب، میر اسحاق صاحب لیکن نہیں۔

ہمارے ایک دوست... غیر احمدیوں میں سے آئے تھے ابو الفضل محمود شائد آپ نے نام سنا ہو گا۔ احمدی ہو گئے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی کتابیں جن کی اجازت تھی انجمن کی طرف سے رسالہ الوصیت، درثمین یا فتح اسلام ان کو چھاپا کرتے تھے۔ وہ قادیان جب آئے تو کہنے لگے آپ کے مرزا صاحب جھوٹ بولتے ہیں۔

اُف!!! آپ سوچئے احمدیوں کا کیا حال ہوا ہو گا۔ تو کہنے لگے ہاں جھوٹ بولتے ہیں تقریر شروع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں بیمار ہوں اور اس کے بعد 8 گھنٹے کی تقریر کر دیتے ہیں۔

میں نے خود وہ تقریریں سنی ہیں ظہر عصر کی نماز پڑھی تلاوت ہوئی اور پھر تقریر شروع کر دی۔ عشاء ہو گئی اور تقریر ہو رہی ہے۔ عشاء کا وقت ہو گیا ہے اور تقریر ہو رہی ہے۔ اور مجال ہے کہ کوئی آدمی ہل جائے۔

ایک آدمی کا قصہ خود بھی سنایا کرتے تھے۔ ایک بزرگ کہتے تھے، بڑی عمر کے آدمی تھے۔ کہنے لگے **حضور میں کی کراں تواڈی تقریر شروع ہوندی اے اک نقطہ میں سنناواں پھر مینوں پیشاب محسوس ہوندا اے مینو پیشاب دی تکلیف وی ہے میں کہناواں اچھا اے دوسری گل سن کے فیر جاناواں، فیر او سنداواں تے تسی تیسری شروع کر دیندے او میں او تیسری سنداواں فیر تسی چوتھی شروع کر دیندے او فیر میں او سنداواں، فیر میرا او حال ہندا اے کے پوٹا پاٹن لگ جاندا اے۔**

بہت غیر معمولی خطاب آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اور بیچ میں کبھی کبھی کہیں کہیں وہ لطیفے بھی سنا دیا کرتے تھے جو ہم نے کئی بار سنے ہیں مگر وہ لطیفہ ہر دفعہ ایک الگ رنگ میں ہوتا تھا اور الگ لطف آتا تھا۔

لوگ حضرت مصلح موعودؓ کا ذکر کرتے ہیں آپ کئی لوگوں کی تقریریں سنیں گے جنہوں نے حضرت صاحب کو دیکھا ہوا ہے تو جلال کے پہلو پر زور دیتے ہیں۔ ہم نے تو جمال ہی جمال دیکھا ہے۔

ہمارے والد صاحب فوت ہو گئے اس وقت میں 12، 11 سال کا تھا اس 12، 11 سال کے بعد جو شلوار کرتہ پہنا ہے وہ بھی حضرت صاحب کا دیا ہوا ہے جو صدری کوٹ پہنی ہے وہ بھی حضرت صاحب کا دیا ہوا ہے، جس مکان میں رہے ہیں وہ بھی حضرت صاحب کا دیا ہوا ہے، جو کھانا کھایا ہے وہ بھی حضرت صاحب کا دیا ہوا ہے، جس لڑکی سے شادی کی وہ بھی حضرت صاحب کی دی ہوئی، شفقت ہی شفقت۔ بھائی! جلال کا ذکر کرتے ہو انکے جمال کا بھی تو ذکر کرو شفقت کا بھی تو ذکر کرو۔ اس شفقت کا آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔

قرآن مجید کا علم اور قرآن مجید سے محبت کا ذکر ابھی میں کر چکا ہوں تفسیر صغیر، تفسیر کبیر پھر اس کی کئی جلدیں اور پھر اس کے علاوہ جو جگہ جگہ خطبات میں درس میں، اور پھر ہر دفعہ نئی بات۔

میں گنہگار نے ایک مرتبہ سوچا (حضرت صاحب نے خطبہ دیا اور کوئی خطبہ کوئی تقریر ایسی نہیں ہوتی تھی جس میں ہمیں کوئی نئی بات نہ ملتی ہو) ایک بار حضرت صاحب نے اذان کے بارہ میں خطبہ دیا ادھر مسجد مبارک ربوہ کی بات ہے۔ میں نے سوچا آج کوئی نئی بات نہیں ملی خطبہ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت صاحب نے ایک موضوع پر خطبہ دیا ہو اور پھر دوبارہ اسی موضوع پر خطبہ دیا ہو۔ دوسرا خطبہ پھر اذان کے موضوع پر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اطلاع دے دی ہو گی اور پھر اس میں وہ باتیں تھیں جو میں نے کبھی سوچی یا سنی ہی نہیں تھیں۔

ساری عمر میں ایک دفعہ مجھے یہ خیال آیا کہ شاید آج کے خطبہ میں کوئی نئی بات مجھے نہیں یاد آئی، تو دوسرے خطبہ میں اس کی تلافی ہو گئی۔

**<u>آپؓ کو عطر سے بڑی دلچسپی تھی،</u>** اگر کوئی hobby کہیں تو وہ عطر تھی۔ hobby بھی کیا کہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں آتا ہے کہ کان لا یرد الطیب وہ ذہن میں ہوتا ہو گا۔ عطر خود بناتے تھے۔ رات کی رانی کا عطر ملتا تھا بڑا ردی قسم کا ہوتا تھا۔ اس میں رات کی رانی کی بجائے دن کی بدبو معلوم ہوتی تھی۔ ہمارے گھر دارالانوار قادیان میں رات کی رانی کا پودا تھا سارے محلے میں اس کی خوشبو پھیلتی تھی، چاندنی رات میں اس کی خوشبو بہت عجیب ہوتی تھی۔ جب چاندنی رات ہوتی ہے تو سارا محلہ خوشبو سے بھر جاتا ہے۔

بہر حال میر داؤد احمد صاحب کو بلا کے اس کو کٹوا کے بتایا کہ اس طرح اس کو بناؤ۔ پھر خود بنایا۔ فرانس کا ملک خوشبو کے لئے بہت مشہور ہے۔ فرنس سے لاہور ایک بندہ آیا تو کہیں احمدیوں سے ملا ہو گا۔ ان کو چونکہ پتا تھا کہ حضرت صاحب کو خوشبو سے لگاؤ ہے تو انہوں نے یہاں ربوہ بھیج دیا۔ وہ حضرت صاحب کے پاس آیا باتیں ہوئیں۔ اس نے اپنا ایک پرفیوم دکھایا۔ راز ہوتے ہیں کمپنیوں کے۔ حضرت صاحب نے پکڑا۔ سونگھا اور فرمایا اچھا اس میں یہ چیز ہے یہ چیز ہے یہ چیز ہے۔ اس کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ ہمارا تو سارا راز نکل گیا۔ باہر نکلا اور بہت تعریف کی۔ پیر معین الدین صاحب بعض دفعہ حضرت صاحب کے ساتھ عطر کا کام کیا کرتے تھے۔ انکے پاس بھی بڑی تعریف کی۔ انہوں نے اندر جا کے بتایا کہ حضور وہ تو بہت تعریف کر تا تھا اور کہتا تھا کہ کمال ہے ان کی ناک، انہوں نے تو ہمارے سارے راز جان لئے۔ اب دیکھئے حضور کا ردعمل !! فرمانے لگے دیکھو اس نے ہمیں وہ چیز دکھائی جو ہمیں پتا تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے۔ اگر وہ ہمیں ایسی چیز دکھاتا جو ہمیں نہ پتا ہوتی تو ہم کچھ نہ کہہ سکتے۔ تو جتنی مہارت تھی اتنی ہی اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور انکساری بھی تھی۔ میں نے اپنے متعلق کوئی بات آپ کو نہیں بتائی مجھ پر جو شفقت تھی اور محبت تھی اس کا ذکر کیا ہے۔

ایک الہام میرے سامنے ہوا ہے۔ گو اس وقت مجھے پتا نہیں لگا تھا کہ الہام ہو رہا ہے آنکھوں میں شائد کوئی کیفیت پیدا ہوئی ہو۔ اس وقت حضور کے ساتھ میں اکیلا تھا۔ ہوا یہ کہ لدھیانہ کے جلسے پہ، مصلح موعود کے 4 جلسے ہوئے ہیں۔ قادیان میں مسجد اقصیٰ میں

خطبہ میں اعلان کے بعد، اس میں بھی میں موجود تھا۔ ایک جلسہ ہوشیار پور میں ہوا، ہمارے ابا جان اس وقت زندہ تھے اور اس قافلے کے نگران تھے۔ ہم ان کے ساتھ گئے تھے۔ ایک جلسہ پھر لاہور میں ہوا اس میں بھی ہم ساتھ گئے تھے۔ اس کے بعد ہمارے والد صاحب کی وفات ہو گئی تو لدھیانہ میں جلسہ تھا تو حضور مجھے اپنے ساتھ موٹر میں لے کر گئے، سارے راستے میں حضور کے ہمراہ تھا۔ ہم جب روانہ ہوئے تو بارش ہو رہی تھی۔ ہر چوال کا نام شاید آپ نے سنا ہو گا قادیان کے پاس ایک گاؤں تھا، وہاں پر نہر تھی۔ ہم بھی وہاں جایا کرتے تھے۔ وہاں سے جب پٹڑی پر چڑھے تو نہر والوں نے موٹروں کو روک دیا۔ حضرت صاحب کی موٹر تھی، ایک دعوت تبلیغ کی موٹر تھی، انجمن کی موٹر تھی۔ تین موٹریں تھیں۔ انہوں نے کہا کہ پٹڑی کچی ہے۔ آپ کی موٹریں ہیں یہ خراب ہو جائے گی۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب بھی ساتھ تھے۔ ان سے پرائیویٹ سیکریٹری صاحب نے بات کی۔ میاں صاحب خود بھی تشریف لے گئے۔ تو وہاں نہر کے ایک کونے میں ذراہٹ کر حضرت صاحب کھڑے تھے اور میں کھڑا تھا۔ اس وقت حضرت صاحب کو ایک الہام ہوا میں سمجھ نہیں سکا اس وقت۔ جب بعد میں بیان کیا تو بالکل وہی جگہ تھی جہاں میں تھا۔ اس وقت وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ اور وہ الہام تھا ”بہت سی برکتوں کے سامان ہوں گے۔“ چھپا ہوا ہے۔ اس وقت جب کہ نہر والوں نے ہمیں جانے سے روکا ہوا تھا اور لدھیانہ میں جلسہ مقرر ہوا تھا۔ اس وقت وہ الہام حضرت صاحب کو ہوا ہے۔

اور میں آپ کو کیا بتاؤں۔ ایک نظم حضرت صاحب کی آپ کے متعلق ہے۔ ایک مجلس عرفان ہوتی تھی، مسجد مبارک قادیان میں۔ مغرب کی نماز کے بعد وہاں تین دن حضرت صاحب نے اپنی وہ نظم پڑھوائی ہے۔ اور فرمایا میں نے یہ نظم واقفین زندگی کے لئے لکھی ہے۔

اس نظم کی نصیحت پر میں اپنی باتوں کو ختم کرتا ہوں۔

میں اپنے پیاروں کی نسبت
ہرگز نہ کروں گا پسند کبھی
وہ چھوٹے درجے پہ راضی ہوں
اور ان کی نگاہ رہے نیچی
وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر
شیروں کی طرح غرّاتے ہوں
ادنیٰ سا قصور اگر دیکھیں
تو منہ میں کف بھر لاتے ہوں
میں واحد کا ہوں دلدادہ
اور واحد میرا پیارا ہے
گر تو بھی واحد بن جائے
تو میری آنکھ کا تارہ ہے

# بائبل کی کتابوں کی
# CANONIZATION
# علماء بائبل کی تحقیق

(سید میر محمود احمد ناصر صاحب۔ مرحوم)

## پرانا عہد نامہ:

قرآن جب غار حرا میں اترنا شروع ہوا اس وقت سے آج تک اس کو ماننے والے اس کو الہامی کتاب اور مقدس صحیفہ قرار دیتے ہیں مگر بائبل کی کتب مختلف زمانوں میں جب لکھنے والوں نے لکھیں تو وہ اس کو کتاب مقدس، خدا کا کلام اور لفظاً و معناً کلام الٰہی نہیں سمجھتے آہستہ آہستہ لمبے بحث مباحثہ کے بعد اختلافات کی ایک گہری دلدل میں سے گزر کر انسانی کوششوں اور دلائل اور جدوجہد کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ کتابیں Canon کی حیثیت رکھتی ہیں کینن کے معنے "List of sacred books accept as genune" ڈکشنری میں ملتے ہیں۔

پہلے پرانے عہد نامہ کو لیجئے۔ پرانا عہد نامہ بھی تین حصوں میں تقسیم ہے۔ توراہ۔ نابیم اور کتوبیم۔

اگرچہ روایتی عقیدہ کے مطابق تینوں کا مرتبہ برابر ہے مگر بہر حال توراہ یعنی شریعت کی کتاب مقدم سمجھی جاتی ہے۔ نابیم یعنی کتاب انبیاء پر اور کتوبیم یعنی تحریرات ان دونوں کے بعد ہے مگر جہاں تک کینن ہونے کا تعلق ہے تینوں کینن کا حصہ ہیں۔

کتاب مقدس مطالعاتی اشاعت میں لکھا ہے:

"یہ فیصلہ کرنے کا عمل کہ کون سی کتب باضابطہ یہودی نوشتوں میں شامل کی گئیں تقریباً 100 تک جاری رہا یہ کام اکثر یہودی وعیسائی (استاد) سرانجام دیتے۔" (صفحہ 7)

"یہ بات واضح نہیں کہ یہ فیصلہ کس طرح کیا گیا اتنی مقدس ہیں کہ انہیں یہودی نوشتوں میں شامل کیا جائے ہمیں یہ ضرور معلوم ہے کہ 100 کے لگ بھگ کچھ یہودی جانیا (جامینا) کے مقام پر جمع ہوئے یہ یروشلم سے مغرب میں یہودی علم وادب کا مرکز تھا۔ اس موقع پر ان علماء میں بحث ہوئی کہ کونسی کتب یہودی نوشتوں میں شامل ہونی چاہئیں۔ غالباً یہودی علماء کے اس فیصلہ کا معتمد حصہ تھے کہ انتالیس (39) کتابیں فہرست مسلمہ میں شامل کی جائیں۔ سات کتب اس فہرست میں شامل کی گئیں انہیں مستند بدرجہ دوم کا نام دیا گیا۔ آج کل اکثر پرٹسٹنٹ کلیسیائیں انتالیس (39) کتب کی اصل فہرست کو قبول کرتی ہیں اور اسے پرانا عہد نامہ یا عہد عتیق کہتی ہیں۔ رومن کیتھولک، ہنگلیکن استعفیٰ اور مشرقی راسخ العقیدہ (Orthodox) کلیسیائیں مستند درجہ دوم کی کتب کو بھی پرانے عہد نامہ میں شامل کرتی ہیں۔" (صفحہ 7،8)

جامینا کی کونسل میں پرانے عہد نامہ کی کتابوں کو کس طرح کتاب مقدس قرار دیا گیا اس کے بارہ میں صرف ایک نمونہ پیش کرنا کافی ہے۔

کتاب مقدس مطالعاتی اشاعت میں لکھا ہے:

"سطحی طور پر غزل الغزلات ایک عشقیہ نظم ہے جس میں مرد اور عورت کے درمیان محبت پر خوشی اور تعریف کا اظہار کیا گیا ہے بعض علماء اس کتاب کو مسلسل اور یک رنگی نظم سمجھتے ہیں جو ایک ہی شاعر کی تخلیق ہے جبکہ دوسرے علماء کا خیال ہے کہ غزل الغزلات ایک ڈرامہ ہے جبکہ کچھ علماء نشاندھی کرتے ہیں کہ کتاب کے بعض حصے مسوپتامیہ کے شادی بیاہ کے گیتوں یا قدیم مصر کی عشقیہ نظموں کے مشابہ ہیں اس کتاب میں خدا کا ذکر نہیں اور محسوس ہوتا ہے کہ یہ نظمیں صرف انسانی عشق کا بیان کرتی ہیں۔" (صفحہ 1198)

ایڈیٹر نے اس سے پہلے لکھا ہے:

"اس کتاب کو بائبل مقدس میں کیوں شامل کیا گیا وہ سوال ہے جس پر یہودی اور مسیحی علماء دو ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ سے بحث کرتے آرہے ہیں۔" (صفحہ 1198)

"اگر غزل الغزلات صرف اس نظموں کا مجموعہ ہے جو عورت اور مرد کی باہمی زبردست عشق کا اظہار کرتی ہیں تو اسے بائبل مقدس میں کیوں شامل کیا گیا ہے۔ دوسری صدی قبل مسیح تک یہودی و عیسائی بحث کرتے آرہے تھے کہ غزل الغزلات کو پاک نوشتہ مانا جائے یا نہ مانا جائے۔ مسیحیت کے ابتدائی دور کی تحریکوں میں اس قسم کی بحث موجود ہے بالآخر بہت سے یہودی علماء نے کہا کہ یہ کتاب اسرائیل امت کے خدا کی محبت کی علامت ہے۔"(صفحہ 1198)

پرانے عہد نامہ کی کیننائزیشن کے بارہ میں اس کتاب کے ایڈیٹر لکھتے ہیں:

"جس شکل و صورت میں بائبل مقدس آج مسیحیوں کے پاس ہے شروع سے وہ ایسی واحد ضخیم کتاب نہ تھی جس میں پرانا عہد نامہ دونوں ایک ساتھ موجود تھے اس کا آغاز کتاب کے ایک عمل سے ہوا ہے جسے مستند قرار دینے کا عمل (Canonziation) کہتے ہیں یونانی لفظ کینن کے کئی معانی ہوسکتے ہیں مثلاً جریب یا ناپنے کی چھڑی۔ شروع میں بزرگان کلیسیاء کینن کے معنے "معیار" لیتے تھے۔ بعد میں اس سے "مستند کتب کی فہرست" مراد لینے لگے۔ رومی دنیا کی کلیسیاؤں میں بہت سی کتب گردش میں تھیں۔ ابتدائی کلیسیاء انہیں پڑھتی اور ان کا مطالعہ کرتی تھی اس دور میں کلیسیاء کے بزرگوں کے لئے ضروری ہوگیا کہ کسی عملی ذریعہ سے فیصلہ کریں کہ کون سی کتب مقدس ہیں اور انہیں خدا کے لوگوں کی سند حاصل ہے۔ یہ طریقہ راتوں رات وضع نہیں ہوگیا بعض حالات میں ان کے لکھے جانے کے بعد سینکڑوں سال لگ گئے تب کہیں جاکر فیصلہ ہوا کہ جو اتنی بہت سی تحریریں پڑھی جارہی ہیں ان میں سے کون سی پاک کتاب یعنی بائبل مقدس میں شامل ہونی چاہئیں۔"(صفحہ 9)

## نیا عہد نامہ:

یہ بات نئے عہد نامہ کے الہامی مقام کو سخت صدمہ پہنچاتی ہے کہ مسیحیت کے ابتدائی رسولی دور میں محققین کے مطابق کسی نئی کتاب یا کتابوں کے مجموعہ کے بطور Canon کے ہونے کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ اُس وقت کے عیسائی عہد نامہ قدیم کو ہی مقدس صحیفہ سمجھتے تھے اور اس سے مسیح کی صداقت کا ثبوت نکالتے تھے اور گو مسیح کے اقوال پر جو ان تک پہنچے تھے ان پر عمل کو ضروری سمجھتے تھے اور رسولوں (حواری و بزرگان) کی نصائح اور اوامر و نواہی پر عمل کرتے تھے مگر عہد نامہ جدید کا تصور بطور Canon کے جو اصولِ ایمانیہ کو بیان کرنے والا ہو، جس رنگ میں آج ہمارے سامنے ہے ان میں موجود نہ تھا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرت مسیح کی پیشگوئیوں کی

بناء پر اپنے ایام کو آخری ایام سمجھتے تھے اور ان کو یقین تھا کہ اپنی زندگی ہی میں وہ مسیح کو آسمان سے نازل ہوتا ہوا دیکھ لیں گے۔ اس زمانہ میں رسولوں نے جو خطوط لکھے وہ وقتی ضروریات کے پیش نظر تھے اور ان کو خیال بھی نہ تھا کہ یہ تحریرات ایک غیر متعین عرصہ تک بطور مقدس صحیفہ کے ہیں۔ ساتھ ہی یہ تصور بھی غالباً ان میں موجود تھا کہ روح القدس ان کو سکھانے اور مخالفین کے مقابلہ کے وقت بولنے میں ان کی مدد کے لئے موجود ہے۔ اس خیال نے بھی کسی باقاعدہ مقدس صحیفے کی ضرورت محسوس نہ ہونے دی۔ اس بات کے ثبوت کے لئے کہ اس دور کے مسیحی اپنے دور کو آخر الایام سمجھتے تھے یہ حوالے دیکھئے:

## 1 تھسّلُنیکیوں میں پولوس کہتا ہے:

"چنانچہ ہم تم سے خداوند کے کلام کے مطابق کہتے ہیں کہ ہم جو زندہ ہیں اور خداوند کے آنے تک باقی رہیں گے سوئے ہوؤں سے ہرگز آگے نہ بڑھیں گے۔ کیونکہ خداوند خود آسمان سے للکار اور مقرّب فرشتہ کی آواز اور خدا کے نرسنگے کے ساتھ اتر آئے گا اور پہلے تو وہ جو مسیح میں موئے، جی اٹھیں گے۔ پھر ہم جو زندہ باقی ہونگے انکے ساتھ بادلوں پر اٹھائے جائیں گے تا کہ ہوا میں خداوند کا استقبال کریں اور اس طرح ہمیشہ خداوند کے ساتھ رہیں گے۔ پس تم ان باتوں سے ایک دوسرے کو تسلی دیا کرو۔"[1]

اس حوالہ کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح کی اُس پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے جو انجیلِ متی میں مذکور ہے۔ جس میں مسیح نے اس نسل کے ختم ہونے سے قبل اپنی آمد کی پیشگوئی کی ہے:

"کیونکہ ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا۔ اس وقت ہر ایک کو اس کے کاموں کے مطابق بدلہ دے گا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اسکی بادشاہی میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے۔"[2]

"اور فوراً ان دونوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی۔ اور اس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا اور اس وقت زمین کی سب قومیں چھاتی پیٹیں گی اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی۔ اور وہ نرسنگے کی بڑی آواز کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اس کنارے سے اس کنارے تک جمع کریں گے۔ اب انجیر کے درخت سے ایک تمثیل سیکھو۔ جو نہی اسکی ڈالی نرم ہوتی اور پتے نکلتے ہیں تم جان لیتے ہو کہ گرمی نزدیک ہے۔ اسی طرح جب تم ان سب باتوں کو دیکھو تو جان لو کہ وہ نزدیک بلکہ دروازہ پر ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب باتیں نہ ہو لیں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہو گی آسمان اور زمین ٹل جائینگے لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔"[3]

## انجیلِ مرقس میں بھی یہ پیشگوئی مذکور ہے:

"کیونکہ جو کوئی اس زناکار اور خطاکار قوم میں مجھ سے اور میری باتوں سے شرمائے گا ابن آدم بھی جب اپنے باپ

1 1 تھسلنیکیوں باب 4 آیت 15-18
2 متی باب 16 آیت 27-28
3 متی باب 24 آیت 29-35

کے جلال میں پاک فرشتوں کے ساتھ آئے گا تو اس سے شرمائے گا۔ اور اس نے ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک خدا کی بادشاہی کو قدرت کے ساتھ آیا ہوا نہ دیکھ لیں موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے۔"[1]

## Albert E. Barnett اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

It was clearly not the purpose of those who wrote the books of the New Testament to create a body of literature that would supplement or compete with the Old Testament. What they wrote had to do with the needs of the local groups of Christians or with the crises of one sort oranother that threatened the church. [2]

Jesus himself wrote nothing.... During the two decades following the crucifixion, from30to 50,Christians wrote little. They lived in the expectation of the imminentreturn of Jesus. [3]

**مفہوماً ترجمہ:** واضح طور پر نئے عہد نامہ کی کتابیں لکھنے والوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ ایسا لٹریچر تخلیق کریں جو پرانے عہد نامہ میں اضافہ کے طور پر ہو یا اس کے مقابل پر ہو۔ جو کچھ انہوں نے لکھا اس کا مقصد مقامی عیسائی گروہوں کی ضروریات کو پورا کرنا یا پھر ان متفرق مسائل کا حل کرنا تھا جن سے چرچ کو خطرہ ہو سکتا تھا۔ یسوع مسیح نے خود کچھ نہیں لکھا......... واقعہ صلیب کے بعد کی دو دہائیوں 30ء سے 50ء کے دوران عیسائیوں نے بہت تھوڑا لکھا۔ وہ مسیح کی عنقریب واپسی کی توقعات میں جی رہے تھے۔

الغرض رسولی دور میں نئے عہد نامے کا بطور Canon کے کوئی تصور موجود نہ تھا اور اس دور کے بعد بھی۔ موجودہ نئے عہد نامہ کی بعض کتابیں چوتھی صدی کے اختتام تک بطور Canon تسلیم نہیں کی گئی تھیں۔ اس صورت حال میں نئے عہد نامہ کا الہامی مقام نہایت کمزور ہو جاتا ہے۔ اس دلیل کی تفصیل کے لئے نئے عہد نامہ کی Canonisation کا حال مختصراً درج ہے۔

پہلے دور کے مسیحیوں میں عہد نامہ قدیم کی کتب پر اضافے کا تصور پیدا نہ ہوا تھا۔ ان میں سے اکثر یہود تھے اور یہود کی طرح وہ پرانے عہد نامہ کے استناد کے قائل تھے غیر مسیحی یہودیوں اور ان کا باہمی اختلاف صرف پرانے عہد نامہ کی تشریح و تعبیر میں ہوتا تھا۔ وہ مسیح کو اپنا مقتدا مان کر پرانے عہد نامہ کی پیشگوئیوں کو اس پر چسپاں کرتے اور اس کی صداقت کے ثبوت پیش کرتے تھے۔ چنانچہ مسیحی محقق Albert E. Barnett اپنی کتاب میں اس بارے میں لکھتے ہیں:

> However higly and deservedly Christians have valued and continue to value the New Testament, the fact is that instead of producing Christianity the New Testa-ment was itself the product ofthe developing christian movement. The collection of writtings that became the New Testament and the individual books that found a place in that collection came into existance as phases of the growth of the church. Yet from

1 مرقس باب 8 آیت:38، باب 9 آیت:1

2 TheNewTestament,It'smakingandmeaningbyAlbertE.Barnett,AbingdonCokesburypress.N.Y.1954,P.19

3 TheNewTestament,It'smakingandmeaningbyAlbertE.Barnett,AbingdonCokesburypress.N.Y.1954,P.128-129

the outset Christians had a Bible. The Old Testament was the scripture of the primi-tivechurch,and its proper interpretation rather than it's supplementation by theaddition of new books was the prefrence of Christian leaders for more than a century. In no instance were the books that now make up the New Testament written for inclusion in a Bible. [1]

**مفہوماً ترجمہ:** اگرچہ بجا طور پر عیسائیوں نے نئے عہد نامہ کو اہمیت دی اور دیتے رہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ نیا عہد نامہ عیسائیت کو بناتا، یہ (نیا عہد نامہ) تو خود ترقی پذیر عیسائی تحریک کی پیداوار ہے۔ تحریرات کا مجموعہ جو نیا عہد نامہ بنا اور انفرادی کتب جنہوں نے اس مجموعے میں جگہ پائی چرچ کی نشوونما کے مختلف ادوار میں وجود میں آئے۔

اگرچہ ابتداء سے ہی عیسائیوں کے پاس کتاب مقدس تھی پرانا عہد نامہ ہی ابتدائی کلیسیا کا (مقدس) صحیفہ تھا اور بجائے اس میں نئی کتابوں کے اضافے کے ایک صدی سے زائد تک اس کی صحیح تشریح اور تفسیر ہی آبائے کلیسیا کی ترجیح رہی۔ یہ کتب جو اب نئے عہد نامہ کا حصہ ہیں کسی بھی طور پر بائبل (پرانا عہد نامہ) میں شامل کرنے کے لئے نہیں لکھی گئی تھیں۔

ہاں اس دور میں مسیحی چرچ کی کچھ اپنی تحریرات بھی موجود تھیں۔ جن تحریرات سے نئے عہد نامہ کو مواد ملا۔ ان میں مسیح کے اقوال، رسولی خطوط، پیشگوئیاں اور کلیسیائی ہدایات شامل ہیں۔

## (1) مسیح کے اقوال:

مسیح کے اقوال کو طبعاً اس دور کے عیسائیوں میں استناد حاصل تھا۔ ایسے اقوال کے مجموعے اس دور میں موجود تھے اور بعد میں مسیح کی سوانح عمری کی طرز پر جب اناجیل لکھی گئیں تو ان میں جزءً کاملاً مدغم ہو گئے ان مجموعوں کے متعلق خیال یہ ہے کہ یہ کافی شروع کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ پولوس اپنے خطوط میں "خداوند کے کلام" کو قطعی اتھارٹی کے طور پر درج کرتا ہے:

"مگر جن کا بیاہ ہو گیا ہے ان کو میں نہیں بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے جدا نہ ہو۔" [2]

"چنانچہ ہم تم سے خداوند کے کلام کے مطابق کہتے ہیں کہ ہم جو زندہ ہیں اور خداوند کے آنے تک باقی رہیں گے سوئے ہوؤں سے ہرگز آگے نہ بڑھیں گے۔" [3]

مندرجہ بالا حوالہ جات سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مسیح کے اقوال کے کچھ مجموعے پولوس کے سامنے رائج ہو چکے تھے۔

## (2) "رسولی" خطوط:

اس دور کی تحریرات کی دوسری جماعت وہ خطوط ہیں جو اس دور میں پولوس اور دیگر آبائے کلیسیا نے لکھے۔ اُس دور میں حواریوں اور دیگر رسولوں کو بھی ایک قسم کا اختیار حاصل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ 1 کرنتھیوں میں پولوس کہتا ہے: "اور خدا نے کلیسیا میں الگ الگ شخص مقرر کئے ہیں پہلے رسول۔ دوسرے نبی۔ تیسرے استاد۔" [4]

پولوس ان چرچوں کی، جن کی بنیاد اس نے رکھی تھی زبانی یا تحریری راہنمائی کا مدعی تھا۔ گو اس کی مخالفت بھی ساتھ ہی موجود

1 The New Testament, Its making and meaning by Albert E. Barnett, Abingdon Cokesbury Press .N.Y. 1954, P:13.

2 1 کرنتھیوں باب 7 آیت:10

3 1 تھسلنیکیوں باب 4 آیت:15

4 1 کرنتھیوں باب 12 آیت:28

تھی۔ اس کے خطوط لوگوں کو جمع کر کے پڑھ کر سنانے کی غرض سے لکھے گئے تھے۔

## (3) پیشگوئیاں:

اس دور میں اگر مسیحی مقدس صحیفے سے ملتی جلتی کوئی چیز تھی تو وہ ایسے رسائل یا کتب تھے جو پیشگوئیوں پر مشتمل تھے جس کا ایک نمونہ "مکاشفہ" کی صورت میں نئے عہد نامہ میں موجود ہے۔

مکاشفہ کے مصنف نے اپنی کتاب میں Inspiration کا دعویٰ کیا ہے اور اس کتاب میں کمی بیشی کرنے والے کو لعنت سے ڈرایا ہے۔

## (4) کلیسائی ہدایات:

اس دور کی تحریرات میں سے آخری "ڈڈاکی" (Didache) ہے۔ اس میں دعوٰی ہے کہ اس میں 12 حواریوں کے ذریعہ آئی ہوئی مسیحی تعلیم بیان ہے۔ اس میں مسیحیوں کے لئے اخلاقی راہنمائی کی تعلیم اور کلیسیا کی بڑی بڑی مذہبی رسوم کے بارہ میں تعلیم دی گئی ہے۔ اس کا اصل زمانہ یا وطن معلوم نہیں۔ غالباً پہلی صدی کے اختتام پر شام یا فلسطین میں لکھی گئی۔ اوپر کے بیان سے واضح ہو گیا کہ رسولی دور میں نیا عہد نامہ بطور Canon کے موجود نہ تھا۔ اس سوال کے متعلق کچھ وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ چاروں اناجیل کی تشکیل بطور ایک مجموعہ کے کب ہوئی اور کہاں ہوئی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ (Clement of Rome۔92 عیسوی اور Polycarp۔112 عیسوی) دونوں مسیح کے اقوال اس رنگ میں بیان کرتے ہیں جو چاروں اناجیل سے ماخوذ سمجھے نہیں جاسکتے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چاروں اناجیل کو جو مرتبہ اور شہرت حاصل ہوئی ہو وہ اس وجہ سے ہو کہ بڑے بڑے کلیسیاؤں میں سے ہر انجیل کسی کے ساتھ وابستہ ہو گئی ہو جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مرقس کی انجیل روم کے چرچ سے وابستہ ہونے کی وجہ سے شہرت اور مقام حاصل کر گئی۔ متی کی انجیل جو مرقس کی انجیل پر اضافہ کر کے بنائی گئی معلوم ہوتی ہے کے متعلق خیال ہوتا ہے کہ دوسری صدی کے شروع میں انطاکیہ میں استعمال ہوتی تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ چاروں کے مجموعہ کی ابتداء ایشیائے کوچک میں ہوئی اور بعض کے خیال میں اس کی ابتداء روم سے ہوئی۔ پطرس کی انجیل، جو "اپاکریفا" میں شامل ہے، سے چاروں اناجیل کے مجموعہ کے رائج ہونے کے وقت پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ پطرس کی انجیل 140 عیسوی سے پہلے کی ہے۔ اس انجیل سے پتہ لگتا ہے کہ یہ چاروں اناجیل بطور مجموعہ رواج پا چکی تھیں کیونکہ پطرس کی انجیل کا مصنف چاروں اناجیل پر انحصار کرتا ہے۔

اس کے کچھ عرصہ بعد (Tatian۔170 عیسوی) نے روم میں اپنی Diatessaron میں چاروں اناجیل یکجا کرنے کی کوشش کی۔ (Irenaeus۔185 عیسوی) اناجیل کے لئے چار کا لفظ ایسا ہی قدرتی خیال کرتا ہے جیسے چار ہوائیں یا زمین کے چار اقلیم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاروں اناجیل پر مشتمل مجموعہ اس سے کچھ عرصہ قبل رواج پا چکا تھا۔ پولوس کے خطوط (جو پہلے دور میں لکھے گئے تھے) مجموعہ کی شکل میں دوسری صدی کے اوائل سے قبل ہی نظر آتے ہیں۔

(Ignatius۔112 عیسوی) پولوس کے چھ خطوط، جس میں پہلا تیمتھیس کا خط اور ططس بھی شامل ہیں، سے واقف معلوم ہوتا ہے اور Polycarp کے خط میں، جو Ignatius کے کچھ عرصہ بعد کا ہے، پولوس کے 9 خطوط کا ذکر ہے جس میں پہلا اور دوسرا تیمتھیس بھی شامل ہیں۔

مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نئے عہد نامہ کے دو بڑے حصے یعنی چاروں اناجیل اور پولوس کے خطوط دوسری صدی عیسوی میں اپنی شکل اختیار کر چکے تھے اور اجتماعی عبادات کے موقع پر پرانے عہد نامہ کے ساتھ رسولی تحریرات کا پڑھنا، نئے عہد نامہ

کے بطورCanon کے تصور کی تقویت کا موجب بنا مگر اس وقت تک بھی نیا عہد نامہ بطورCanon قرار نہیں پایا تھا۔

(Justin۔150 عیسوی)چاروں اناجیل اور پولوس کے خطوط سے خوب واقف معلوم ہوتا ہے (مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا یوحنا کی انجیل کا بہت کم ذکر کرنا محض اتفاقی نہیں) مگر Justin جب مقدس صحائف کا ذکر کرتا ہے تو اس سے اس کی مراد پرانا عہد نامہ ہی ہوتی ہے۔ اُس دور میں عام مسیحی چرچ سے مخالفت رکھنے والے ملحدوں کی تحریکات کے ردّ عمل سے بھی نئے عہد نامہ کے بطور Canon تسلیم کئے جانے کے تصور کو تقویت ملی۔

(Marcian۔140 عیسوی)جو مسیحی چرچ کے نزدیک ملحد تھا، نے پرانے عہد نامہ کے استناد کا انکار کر دیا اور اس کی جگہ قطع وبرید کی ہوئی لوقا کی انجیل اور دس پولوسی خطوط کو بطور قابل استناد کتب کے پیش کیا۔ مسیحی چرچ اگرچہ پرانے عہد نامہ کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا مگر وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ ایک ملحد اس سے بڑھ کر رسولی دور کی تحریرات کی تعظیم کرے۔ اسی طرح اس تحریک کے ردّ عمل نے بھی رسولی روایات و تحریرات کے مقام میں اضافہ کرنے میں مدد دی۔

بہر حال دوسری صدی عیسوی کے اختتام پر رسولی تحریرات کا ایک مجموعہ ایک قابل استناد حیثیت کا مالک نظر آتا ہے اور اس سلسلہ میں اس دور کی سب سے اہم دستاویزMuratorian fragment ہے جو Muratori نے1740ء میں شائع کی تھی۔

یہ لاطینی زبان میں ہے اور غالباً روم کے کلیسیا کی طرف سے جاری شدہ ہے۔ اس کا لکھنے والا ایک مجموعہ کا ذکر کرتا ہے جو چار اناجیل، اعمال، پولوس کے 13 خطوط، یوحنا کے 2 خطوط، یہوداہ کا خط اور پطرس کے مکاشفہ پر مشتمل ہے۔ آخری کتاب کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگ اس کو ردّ کرتے ہیں۔ دوسری صدی کے اختتام اور تیسری صدی کے شروع میں چار اناجیل، اعمال، پولوس کے 13 خطوط کو مقدس صحیفہ ماننے میں بالعموم اتفاق ہے اور یہودا ایک، یوحنا اور ایک پطرس کے متعلق کافی وسیع تصدیق ہے۔ گو ایک پطرس کاMuratorian fragmant میں ذکر نہیں اور غالباً افریقن کلیسیا کے سب سے پہلےCanon میں بھی موجود نہیں تھا۔ یوحنا کا مکاشفہ مغرب میں تو بالعموم رسولی تحریر تسلیم کیا جاتا تھا مگر مشرق میں نہیں۔ عبرانیوں کا خط اور یعقوب کا خط مشرق میں رسولوں کی تصنیف اورCanon کا حصہ تسلیم کیا جاتا تھا مگر مغرب میں نہیں۔ سکندریہ کا چرچ کچھ مزید صحائف کو بھی تسلیم کرتا تھا۔ Clem-ent of Alexandria نے برنباس کے خط اور پطرس کے مکاشفہ کو رسولی تحریرات کا مقام دیا۔ اور وہ Didache سے بھی بطور ایک مقدس صحیفہ کے اقتباس لیتا ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو یعقوب کا خط دوسرا پطرس اور تیسرا یوحنا کا خط نہیں ملا۔ اس کے بالمقابل میسوپٹامیہ اور ایڈیسہ کے سریانی (Syriac) بولنے والے کلیسیا نے Tatian کی Diatessaron اور اعمال اور پولوس کے خطوط کو Canon کے طور پر تسلیم کر لیا۔

پھر جلد ہیDiatessaron کی جگہ چار الگ الگ اناجیل نے لے لی مگر معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی عبادات میںDiatessaron ہی کو استعمال کیا جاتا رہا۔ تیسری صدی عیسوی میںOrigen نے ایک وسیع ترCanon کی تلقین کی۔ وہ ان تمام خطوط سے تو واقف معلوم ہوتا ہے جو بعد میںCanon کا حصہ بنے، مگر یعقوب، 2 پطرس اور یوحنا کے بارے میں ہچکچاہٹ کا اظہار کرتا ہے۔Canon کی آخری شکل چوتھی صدی عیسوی کے دوران میں سامنے آئی۔ اس صدی کے بھی شروع میں قطعی فیصلہ نہ ہوا تھا۔ یوسی بیاس(Eusebius)اس دور میں کتابوں کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے:

(1)وہ جو بالعموم تسلیم کی جاتی ہیں۔

(2)وہ جن کے متعلق اختلاف ہے مگر اکثر تسلیم کی جاتیں ہیں۔

(3)وہ جن کو رڈ کیا جاتا ہے۔

پہلے حصہ میں چار اناجیل، اعمال، پولوس کے خطوط، ایک پطرس، ایک یوحنا اور یوحنا کا مکاشفہ شامل ہیں۔ دوسرے میں یعقوب ، یہودا، 2 پطرس اور یوحنا شامل ہیں۔ تیسرے میں پولوس کے اعمال شامل ہیں۔ The Shepherd of Hermes ، پطرس کا مکاشفہ ، برنباس، Didache اور بعض کے نزدیک یوحنا کا مکاشفہ بھی شامل ہیں۔ کچھ اور لوگ عبرانیوں کی انجیل کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں۔ جو Canon بالآخر متفقہ طور پر تسلیم کیا گیا۔ اس کا ذکر اس صورت میں سب سے پہلے Athanasius کے انتالیسویں Festal-letta میں 367ء ملتا ہے۔ (Athanasius شہنشاہِ Constentine کے زمانے میں سکندریہ کا آرچ بشپ تھا)

مصر میں اس بارے میں کوئی تیقن نہیں تھا کہ نیا عہد نامہ کیا ہے۔ Athanassius نے اس کیفیت کو دور کرنے کا بیڑا اٹھا یا اور مشرق و مغرب دونوں میں اس کی وسیع اور گہرے اثر نے اس Canon کو، جس کا وہ حامی تھا، منوانے میں کامیابی حاصل کرلی گو بعض مقامات پر دوسرے خیالات بھی کچھ عرصے تک قائم رہے۔ مثلاً انطاکیہ کا مکتب عام خطوط میں سے صرف یعقوب، ایک پطرس اور ایک یوحنا کو تسلیم کرتا تھا۔

مغرب نے Athanassius کی پیروی کی۔ 382ء میں ایک کونسل پوپ (Damasus ۔366 تا 384 عیسوی) کے ماتحت منعقد ہوئی جس نے جیروم (Jerome) کے زیر اثر Athanassius والی لسٹ کو منظور کرلی۔ پانچویں صدی کے اختتام پر پوپ Gela-sius I نے بھی اس کی تصدیق کی۔ افریقہ میں علیحدہ طور پر اس کی منظوری 393ء میں Hippo Regius میں منعقد ہونے والی کونسل نے دی اور کارتھیج (Carthage) میں 397ء اور 419ء میں Augustine کی قیادت میں ہونے والی کونسل نے اس کی منظوری دی۔

# وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے

# ازالۂ اوہام

(اے۔ ولیم)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:
”سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں۔ کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔“
(”ملفوظات“ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جلد 7 صفحہ 224 ایڈیشن 2022ء)

## تعارف:

جنوری میں رسالہ فتح اسلام اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد توضیح مرام شائع ہوا۔ اور 24 جنوری 1891ء کے ایک مکتوب سے جو کہ حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ کو لکھا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوری میں ہی ازالۂ اوہام کی تصنیف شروع ہو چکی تھی۔
(مکتوبات احمد جلد 2 صفحہ 49، 48، مکتوب نمبر 65)

اور مارچ میں یہ کتاب تقریباً مکمل ہو چکی ہوگی۔ کیونکہ حضرت حکیم صاحب کے نام ہی ایک مکتوب مرقومہ 9 مارچ میں آپؑ لکھتے ہیں: ”یہ عاجز ازالہ اوہام میں بہت کچھ لکھ چکا ہے۔“
(مکتوبات احمد جلد 2 صفحہ 110، 109 مکتوب بنام حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ، مکتوب نمبر 75)

لیکن 16 اگست تک ازالہ اوہام طبع ہو کر نہیں آیا تھا۔ جیسا کہ اسی تاریخ کے ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے۔
(مکتوبات احمد جلد 2 صفحہ 122، مکتوب بنام حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحبؓ، مکتوب نمبر 84)

البتہ اس کے ٹائٹل پیج سے معلوم ہوتا ہے کہ جولائی 1891ء میں ازالہ اوہام کے دونوں حصے طبع ہو چکے تھے کیونکہ دونوں کے ٹائٹل پیج پر ذی الحجہ 1308ھ لکھا ہوا ہے۔ لیکن اس کے آخر پر مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے ساتھ اس تحریری مباحثہ کے متعلق بھی کچھ تحریرات ہیں کہ جو جولائی 1891ء کے آخر پر ہوا تھا۔ اور ایک اور اشتہار بھی ہے جو 3 ستمبر 1891ء کا ہے۔ جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب ستمبر 1891ء میں شائع ہوئی تھی۔ چھوٹے سائز کے ساڑھے نو سو سے زائد صفحات پر یہ کتاب روحانی خزائن کی جلد 3 کے 537 صفحات پر مشتمل ہے۔

حضرت اقدسؑ نے دعویٰ مثیل مسیح کے اعلان کے وقت اشتہارات واعلانات کے ذریعہ عوام الناس اور علماء کو اطلاع دی تھی کہ تین رسالے لکھے جارہے ہیں، فتح اسلام، توضیح مرام اور ازالہ اوہام، ان تینوں کو پڑھے بغیر میری مخالفت اور مجھے رد کرنے کے لئے مستعد نہ ہو جائیں۔ میرے دعویٰ اور دلائل کو پہلے اچھی طرح پڑھ لیں پھر بات کریں۔ انصاف کی بات یہی ہے کہ اپنے دعویٰ کے تسلی

بخش دلائل آپؑ نے اس کتاب خصوصاً ازالہ اوہام میں تحریر فرمائے، وفات مسیح کے قرآن وحدیث سے دلائل تھے اور ایک دو نہیں بلکہ تیس آیات قرآنیہ پیش کیں۔ حیات مسیح کی تردید دلائل شافیہ وکافیہ سے ثابت فرمائی۔ نزول، رفع، توفی، دجال اور دیگر متفرق مسائل پر سیر حاصل بحث کے ساتھ ساتھ اس دعویٰ کے وقت جو اعتراضات علماء کی طرف سے کئے گئے ان کے جوابات دئے گئے ہیں۔

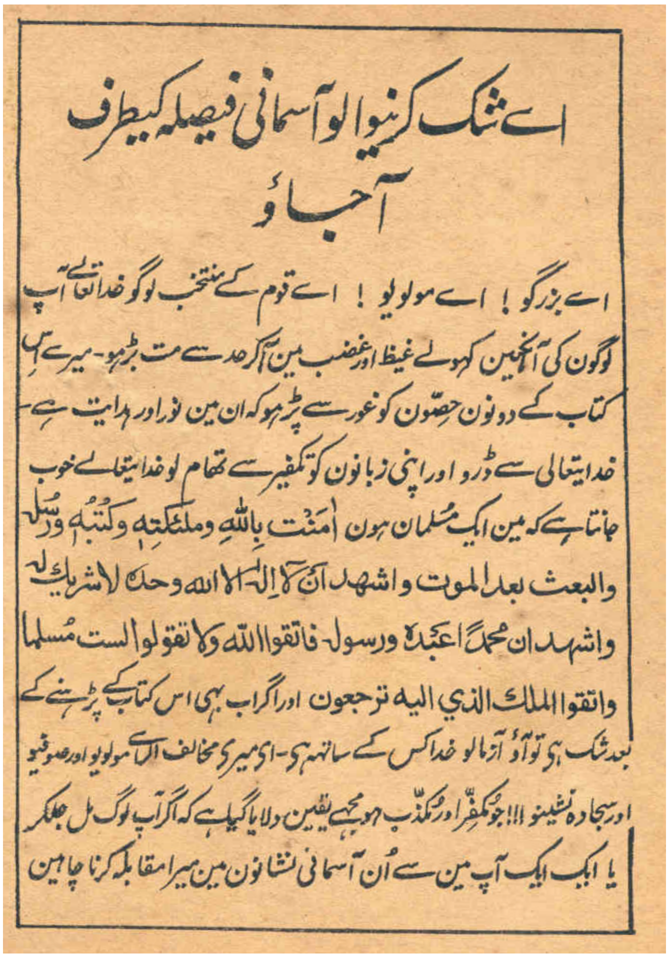
یوں تو یہ ساری کتاب ہی خدا تعالیٰ کے خاص الخاص فضل اور روح القدس کی تائید سے لکھی گئی لیکن بعض مقامات کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ حضرت اقدسؑ نے کشفی طور پر ان کو بیان کیا ہے مثلاً کتاب کے صفحات 110، 111 پر حضرت ابوطالبؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مشہور مکالمہ درج کیا گیا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کو فرماتے ہیں کہ میں دعوت الی اللہ کے اس پیغام کو بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتا..... یہ سب تفصیل بیان کرنے کے بعد حضورؑ لکھتے ہیں:

”یہ سب مضمون ابوطالب کے قصہ کا اگرچہ کتابوں میں درج ہے مگر یہ تمام عبارت الہامی ہے جو خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کے دل پر نازل کی صرف کوئی کوئی فقرہ تشریح کے لئے اس عاجز کی طرف سے ہے۔“

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد3 صفحہ 112،111 حاشیہ)

اسی طرح آیات وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ۔ (النساء:158) کی تفسیر بیان کرنے کے بعد آپؑ لکھتے ہیں:

”اور مجھے اس ذات کی قسم ہے کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ابھی اور اسی وقت کشفی طور پر یہ صداقت مذکورہ بالا میرے پر ظاہر کی گئی ہے اور اُسی معلم حقیقی کی تعلیم سے میں نے وہ سب لکھا ہے جو ابھی لکھا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ۔“


اے شک کرنیوالو آسمانی فیصلہ کیطرف آجاؤ
اے بزرگو! اے مولویو! اے قوم کے منتخب لوگو خدا تعالیٰ آپ لوگون کی آنکھین کہولے غیظ اور غضب مین آکر حد سے مت بڑہو۔ میری اِس کتاب کے دونون حصّون کو غور سے پڑہو کہ ان مین نور اور ہدایت ہے خدا تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی زبانون کو تکفیر سے تھام لو خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مین ایک مسلمان ہون اٰمنت باللّٰہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ والبعث بعد الموت واشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ فاتقوا اللّٰہ ولا تقولوا لست مسلما واتقوا الملک الذی الیہ ترجعون اور اگر اب بہی اس کتاب کے پڑہنے کے بعد شک ہی تو آؤ آزمالو خدا کس کے ساتہہ ہے۔ اے میرے مخالف الرائے مولویو اور صوفیو اور سجادہ نشینو!!! جو مکفّر اور مکذّب ہو مجہے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر آپ لوگ مل جلکر یا ایک ایک آپ مین سے اُن آسمانی نشانون مین میرا مقابلہ کرنا چاہین

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد3 صفحہ 293)

کتاب کا آغاز اس اعلان سے ہوتا ہے:

**”اے شک کرنے والو! آسمانی فیصلہ کی طرف آجاؤ!**

اے بزرگو! اے مولویو! اے قوم کے منتخب لوگو! خدا تعالیٰ آپ لوگوں کی آنکھیں کھولے غیظ اور غضب میں آکر حد سے مت بڑھو۔ میری اس کتاب کے دونوں حِصّوں کو غور سے پڑھو کہ ان میں نور اور ہدایت ہے۔ خدائے تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی زبانوں کو تکفیر سے تھام لو۔ خدائے تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تَقُوْلُوْا لَسْتَ مُسْلِمًا وَاتَّقُوا الْمَلِكَ الَّذِيْ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔[1]

اور اگر اب بھی اس کتاب کے پڑھنے کے بعد شک ہے تو آؤ آزمالو خدا کس کے ساتھ ہے۔ اے میرے مخالف الرائے مولویو اور صوفیو! اور سجادہ نشینو!!! جو مکفر اور مکذّب ہو مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر آپ لوگ مل جل کر یا ایک ایک آپ میں سے اُن آسمانی نشانوں میں میرا مقابلہ کرنا چاہیں

1 **ترجمہ:** میں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور موت کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لاتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو واحد لاشریک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ پس اللہ سے ڈرو اور یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو اور اس بادشاہ سے ڈرو جس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

جو اولیاء الرحمٰن کے لازم حال ہوا کرتے ہیں تو خدائے تعالیٰ تمہیں شرمندہ کرے گا اور تمہارے پردوں کو پھاڑ دے گا اور اس وقت تم دیکھو گے کہ وہ میرے ساتھ ہے۔ کیا کوئی تم میں ہے؟ کہ اس آزمائش کے لئے میدان میں آوے....“
(ازالۂ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 102)

پھر کتاب کے صفحہ 192 پر علمائے ہند کی خدمت میں نیاز نامہ اس طرح سے شروع ہوتا ہے:

”اے برادران دین وعلمائے شرع متین! آپ صاحبان میری ان معروضات کو متوجہ ہو کر سُنیں کہ اس عاجز نے جو مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں جو آج ہی میرے مُنہ سے سُنا گیا ہو بلکہ یہ وہی پُرانا الہام ہے جو میں نے خدائے تعالیٰ سے پاکر براہین احمدیہ کے کئی مقامات پر بتصریح درج کر دیا تھا جس کے شائع کرنے پر سات سال سے بھی کچھ زیادہ عرصہ گزر گیا ہو گا.....“(ازالۂ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 192)

اس کے حصہ دوم کے آغاز میں ایک اعلان ہے جس میں حضورؑ لکھتے ہیں:

”واضح ہو کہ **اس رسالہ ازالہ اوہام میں ان تمام سوالات کا جواب ہے** کہ جو اکثر لوگ کوتہ اندیشی کے رو سے حضرت مسیح کی حیات ممات کے متعلق کیا کرتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ جو شخص اس کتاب کو اول سے آخر تک خوب غور سے پڑھے گا اس کا کوئی شبہ باقی نہیں رہے گا۔“(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 324)

کاسر صلیب اور مسیح محمدی اپنی اس تصنیف میں وفات مسیح کو ثابت کرتے ہوئے اس کی اہمیت اور خدائی تائید و نصرت سے سرشار بیان فرماتے ہیں:

”اے میرے دوستو! **اب میری ایک آخری وصیت کو سنو اور ایک راز کی بات کہتا ہوں اس کو خوب یاد رکھو کہ** تم اپنے ان تمام مناظرات کا جو عیسائیوں سے تمہیں پیش آتے ہیں پہلو بدل لو اور عیسائیوں پر یہ ثابت کر دو کہ درحقیقت مسیح ابن مریم ہمیشہ کے لئے فوت ہو چکا ہے۔ **یہی ایک بحث ہے جس میں فتحیاب ہونے سے تم عیسائی مذہب کی روئے زمین سے صف لپیٹ دوگے۔** تمہیں کچھ بھی ضرورت نہیں کہ دوسرے لمبے لمبے جھگڑوں میں اپنے اوقاتِ عزیز کو ضائع کرو۔ صرف مسیح ابن مریم کی وفات پر زور دو اور پُر زور دلائل سے عیسائیوں کو لاجواب اور ساکت کر دو۔ جب تم مسیح کا مردوں میں داخل ہونا ثابت کر دو گے اور عیسائیوں کے دلوں میں نقش کر دو گے تو اُس دن تم سمجھ لو کہ آج عیسائی مذہب دنیا سے رخصت ہوا۔ یقیناً سمجھو کہ جب تک ان کا خدا فوت نہ ہو اُن کا مذہب بھی فوت نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری تمام بحثیں اُن کے ساتھ عبث ہیں۔ اُنکے مذہب کا ایک ہی ستون ہے اور وہ یہ ہے کہ اب تک مسیح ابن مریم آسمان پر زندہ بیٹھا ہے۔ اس ستون کو پاش پاش کرو پھر نظر اُٹھا کر دیکھو کہ عیسائی مذہب دنیا میں کہاں ہے۔ چونکہ خدائے تعالیٰ بھی چاہتا ہے کہ اِس ستون کو ریزہ ریزہ کرے اور یوروپ اور ایشیا میں توحید کی ہوا چلا دے۔ اِس لئے اُس نے مجھے بھیجا اور میرے پر **اپنے خاص الہام سے ظاہر کیا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔** چنانچہ اس کا الہام یہ ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اُس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تُو آیا ہے **وَكَانَ وَعْدُ اللهِ مَفْعُوْلًا اَنْتَ مَعِي وَاَنْتَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ اَنْتَ مُصِيْبٌ وَّمُعِيْنٌ لِلْحَقِّ**[1]۔

**میں نے اس کتاب میں نہایت زبردست ثبوتوں سے مسیح کا فوت ہو جانا اور اموات میں داخل ہونا ثابت کر دیا ہے** اور میں نے بداہت کی حد تک اس بات کو پہنچا دیا ہے کہ مسیح زندہ ہو کر جسم عنصری کے ساتھ ہرگز آسمان کی طرف اُٹھایا نہیں گیا بلکہ اَور نبیوں کی موت کی طرح اُس پر بھی موت آئی اور دائمی طور پر وہ اس جہان سے رخصت ہوا۔ اگر کوئی مسیح کا ہی پرستار ہے تو سمجھ لے کہ وہ مر گیا اور مرنے والوں کی جماعت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو گیا۔ سو تم تائید حق کے لئے اس کتاب سے فائدہ اٹھاؤ اور سرگرمی کے ساتھ پادریوں کے مقابل پر کھڑے ہو جاؤ۔ چاہئے کہ یہی ایک مسئلہ ہمیشہ تمہارے زیر توجہ اور پورا بھروسہ کرنے کے لائق ہو جو درحقیقت مسیح ابن

1۔ ترجمہ: اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ تُو میرے ساتھ ہے اور تُو روشن حق پر قائم ہے۔ تُو راہ صواب پر ہے اور حق کا مددگار ہے۔

مریم فوت شدہ گروہ میں داخل ہے۔

میں نے اس بحث کو اس کتاب میں بڑی دلچسپی کے ساتھ کامل اور قوی دلائل سے انجام تک پہنچایا ہے اور **خدائے تعالیٰ نے اس تالیف میں میری وہ مدد کی ہے جو میں بیان نہیں کر سکتا** اور میں بڑے دعوے اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں اور خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے اور جہاں تک میں دُور بین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت اقدام دیکھتا ہوں اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لئے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ **میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے۔ جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے** اور آسمان پر ایک جوش اور اُبال پیدا ہوا ہے جس نے ایک پُتلی کی طرح اس مُشتِ خاک کو کھڑا کر دیا ہے۔ ہر یک وہ شخص جس پر توبہ کا دروازہ بند نہیں عنقریب دیکھ لے گا کہ میں اپنی طرف سے نہیں ہوں۔ کیا وہ آنکھیں بینا ہیں جو صادق کو شناخت نہیں کر سکتیں۔ کیا وہ بھی زندہ ہے جس کو اس آسمانی صدا کا احساس نہیں۔"

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 403،402)

اس کتاب میں آپؑ نے اولیاء الرحمٰن کی بیس علامات تحریر فرمائیں، علماء اسلام کو علمی اور روحانی مقابلے کے لئے کھلی دعوت دیتے ہوئے مقابلہ کے لئے بلایا، اپنے دلی محبوں اور مخلص دوستوں کا ذکر بڑی محبت سے فرمایا، اور پھر ان کے لئے اور ساری جماعت کے لئے خدا کے حضور دعا کرتے ہوئے عرض کیا:

"اب میں اس تذکرہ کو دعا پر ختم کرتا ہوں۔ اے قادر خدا میرے اس ظن کو جو میں اپنے ان تمام دوستوں کی نسبت رکھتا ہوں سچا کر کے مجھے دکھا اور ان کے دلوں میں تقویٰ کی سبز شاخیں جو اعمال صالحہ کے میووں سے لدی ہوئی ہیں پیدا کر۔ ان کی کمزوری کو دور فرما اور ان کا سب کسل دُور کر دے اور ان کے دلوں میں اپنی عظمت قائم کر اور ان میں اور ان کے نفسوں میں دُوری ڈال اور ایسا کر کہ وہ تجھ میں ہو کر بولیں۔ اور تجھ میں ہو کر سُنیں اور تجھ میں ہو کر دیکھیں اور تجھ میں ہو کر ہر یک حرکت سکون کریں۔ ان سب کو ایک ایسا دل بخش جو تیری محبت کی طرف جھک جائے اور اُن کو ایک ایسی معرفت عطا کر جو تیری طرف کھینچ لیوے اے بارِ خدا۔ یہ جماعت تیری جماعت ہے اس کو برکت بخش اور سچائی کی روح ان میں ڈال کہ سب قدرت تیری ہی ہے۔ آمین۔"

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 545)

کتاب کے آخری صفحات میں خاتمہ کے عنوان سے سلسلہ بیعت میں داخل ہونے والوں کے لئے نصائح ہیں۔ یہ نصائح آج بھی ہم سب کے لئے دعوت فکر و عمل ہیں۔

حضرت اقدس علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اے میرے دوستو! جو میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو۔ خدا ہمیں اور تمہیں اُن باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے۔ آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر سے دیکھے گئے ہو اور ایک ابتلاء کا وقت تم پر ہے اسی سُنّت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے۔ ہر یک طرف سے کوشش ہو گی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننی پڑیں گی اور ہر یک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دکھ دے گا وہ خیال کرے گا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے۔ اور کچھ آسمانی ابتلاء بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ۔ سو تم اس وقت سُن رکھو کہ تمہارے فتح مند اور غالب ہو جانے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو یا تمسخر کے مقابل پر تمسخر کی باتیں کرو۔ یا گالی کے مقابل پر گالی دو۔ کیونکہ اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں گی جن سے خدا تعالیٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ سو تم ایسا نہ

کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی بھی۔

یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدائے تعالیٰ کی لعنت کے ساتھ نہ ہو کچھ بھی چیز نہیں اگر خدا ہمیں نابود نہ کرنا چاہے تو ہم کسی سے نابود نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر وہی ہمارا دشمن ہو جائے تو کوئی ہمیں پناہ نہیں دے سکتا۔ ہم کیوں کر خدائے تعالیٰ کو راضی کریں اور کیونکر وہ ہمارے ساتھ ہو۔ اِس کا اُس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا کہ تقویٰ سے۔ سو اے میرے پیارے بھائیو کوشش کرو تا متقی بن جاؤ۔ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ سو تقویٰ یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچکر خدا تعالیٰ کی طرف قدم اُٹھاؤ۔ اور پرہیزگاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔ سب سے اوّل اپنے دلوں میں انکسار اور صفائی اوراخلاص پیدا کرو اور سچ مچ دلوں کے حلیم اور سلیم اور غریب بن جاؤ کہ ہر یک خیر اور شر کا بیج پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اگر تیرا دل شر سے خالی ہے تو تیری زبان بھی شر سے خالی ہو گی اور ایسا ہی تیری آنکھ اور تیرے سارے اعضاء۔ ہر یک نور یا اندھیرا پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ تمام بدن پر محیط ہو جاتا ہے۔ سو اپنے دلوں کو ہر دم ٹٹولتے رہو اور جیسے پان کھانے والا اپنے پانوں کو پھیرتا رہتا ہے اور ردّی ٹکڑے کو کاٹتا ہے اور باہر پھینکتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اپنے دلوں کے مخفی خیالات اور مخفی عادات اور مخفی جذبات اور مخفی ملکات کو اپنی نظر کے سامنے پھیرتے رہو اور جس خیال یا عادت یا ملکہ کو ردّی پاؤ اس کو کاٹ کر باہر پھینکو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سارے دل کو ناپاک کر دیوے اور پھر تم کاٹے جاؤ۔

پھر بعد اس کے کوشش کرو اور نیز خدائے تعالیٰ سے قوت اور ہمت مانگو کہ تمہارے دلوں کے پاک ارادے اور پاک خیالات اور پاک جذبات اور پاک خواہشیں تمہارے اعضاء اور تمہارے تمام قویٰ کے ذریعہ سے ظہور پذیر اور تکمیل پذیر ہوں تا تمہاری نیکیاں کمال تک پہنچیں کیونکہ جو بات دل سے نکلے اور دل تک ہی محدود رہے وہ تمہیں کسی مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتی۔ خدا تعالیٰ کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کے جلال کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔ اور یاد رکھو کہ قرآن کریم میں پانسو کے قریب حکم ہیں اور اس نے تمہارے ہر یک عضو اور ہر یک قوت اور ہر یک وضع اور ہر یک حالت اور ہر ایک عمر اور ہر یک مرتبہ فہم اور مرتبہ فطرت اور مرتبہ سلوک اور مرتبہ انفراد اور اجتماع کے لحاظ سے ایک نورانی دعوت تمہاری کی ہے سو تم اس دعوت کو شکر کے ساتھ قبول کرو اور جس قدر کھانے تمہارے لئے تیار کئے گئے ہیں وہ سارے کھاؤ اور سب سے فائدہ حاصل کرو۔ جو شخص ان سب حکموں میں سے ایک کو بھی ٹالتا ہے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ عدالت کے دن مواخذہ کے لائق ہو گا۔

**اگر نجات چاہتے ہو تو دین العجائز اختیار کرو اور مسکینی سے قرآن کریم کا جوا اپنی گردنوں پر اٹھاؤ کہ شریر ہلاک ہو گا** اور سرکش جہنّم میں گرایا جائے گا۔ پر جو غریبی سے گردن جھکاتا ہے وہ موت سے بچ جائے گا۔ دنیا کی خوشحالی کی شرطوں سے خدا تعالیٰ کی عبادت مت کرو کہ ایسے خیال کے لئے گڑھا در پیش ہے۔ بلکہ تم اس لئے اس کی پرستش کرو کہ پرستش ایک حق خالق کا تم پر ہے۔ چاہئے پرستش ہی تمہاری زندگی ہو جاوے اور تمہاری نیکیوں کی فقط یہی غرض ہو کہ وہ محبوب حقیقی اور محسنِ حقیقی راضی ہو جاوے کیونکہ جو اس سے کمتر خیال ہے وہ ٹھوکر کی جگہ ہے۔

**خدا بڑی دولت ہے اس کے پانے کے لئے مصیبتوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔** وہ بڑی مراد ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے لئے جانوں کو فدا کرو۔ عزیزو!! خدائے تعالیٰ کے حکموں کو بے قدری سے نہ دیکھو۔ موجودہ فلسفہ کی زہر تم پر اثر نہ کرے۔ ایک بچے کی طرح بن کر اس کے حکموں کے نیچے چلو۔ نماز پڑھو نماز پڑھو کہ وہ تمام سعادتوں کی کنجی ہے اور جب تُو نماز کے لئے کھڑا ہو تو ایسا نہ کر کہ گویا تُو ایک رسم ادا کر رہا ہے بلکہ نماز سے پہلے جیسے ظاہری وضو کرتے ہو ایسا ہی ایک باطنی وضو بھی کرو۔ اور اپنے اعضاء کو غیر اللہ

کے خیال سے دھو ڈالو۔ تب ان دونوں وضوؤں کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور نماز میں بہت دعا کرو اور رونا اور گڑ گڑانا اپنی عادت کر لو تا تم پر رحم کیا جائے۔

**سچائی اختیار کرو سچائی اختیار کرو کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ تمہارے دل کیسے ہیں۔** کیا انسان اس کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے۔ کیا اس کے آگے بھی مکّاریاں پیش جاتی ہیں۔ نہایت بدبخت آدمی اپنے فاسقانہ افعال اس حد تک پہنچاتا ہے کہ گویا خدا نہیں۔ تب وہ بہت جلد ہلاک کیا جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ عزیزو! اس دنیا کی مجرد منطق ایک شیطان ہے اور اس دنیا کا خالی فلسفہ ایک ابلیس ہے جو ایمانی نور کو نہایت درجہ گھٹا دیتا ہے اور بیباکیاں پیدا کرتا ہے اور قریب قریب دہریّت کے پہنچاتا ہے۔ سو تم اس سے اپنے تئیں بچاؤ اور ایسا دل پیدا کرو جو غریب اور مسکین ہو اور بغیر چون چرا کے حکموں کو ماننے والے ہو جاؤ جیسا کہ بچہ اپنی والدہ کی باتوں کو مانتا ہے۔

قرآن کریم کی تعلیمیں تقویٰ کے اعلیٰ درجہ تک پہنچانا چاہتی ہیں ان کی طرف کان دھرو اور اُن کے موافق اپنے تئیں بناؤ۔

قرآن شریف انجیل کی طرح تمہیں صرف یہ نہیں کہتا کہ نامحرم عورتوں یا ایسوں کو جو عورتوں کی طرح محلِ شہوت ہو سکتی ہیں شہوت کی نظر سے مت دیکھو بلکہ اس کی کامل تعلیم کا یہ منشاء ہے کہ تو بغیر ضرورت نامحرم کی طرف نظر مت اُٹھا نہ شہوت سے اور نہ بغیر شہوت۔

بلکہ چاہیئے کہ تو آنکھیں بند کر کے اپنے تئیں ٹھوکر سے بچاوے تا تیری دلی پاکیزگی میں کچھ فرق نہ آوے۔ سو تم اپنے مولیٰ کے اس حکم کو خوب یاد رکھو اور آنکھوں کے زنا سے اپنے تئیں بچاؤ اور اس ذات کے غضب سے ڈرو جس کا غضب ایک دم میں ہلاک کر سکتا ہے۔ قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے کہ تُو اپنے کانوں کو بھی نامحرم عورتوں کے ذکر سے بچا اور ایسا ہی ہر یک ناجائز ذکر سے۔

مجھے اس وقت اس نصیحت کی حاجت نہیں کہ تم خون نہ کرو کیونکہ بجُز نہایت شریر آدمی کے کون ناحق کے خون کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ناانصافی پر ضد کر کے سچائی کا خون نہ کرو۔ حق کو قبول کر لو اگرچہ ایک بچہ سے اور اگر مخالف کی طرف حق پاؤ تو پھر فی الفور اپنی خشک منطق کو چھوڑ دو۔ سچ پر ٹھہر جاؤ اور سچی گواہی دو۔ جیسا کہ اللہ جلَّ شَانُہٗ فرماتا ہے فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَ اجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ۔ (الحج: 31) یعنی بُتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹ سے بھی کہ وہ بُت سے کم نہیں۔ جو چیز قبلۂ حق سے تمہارا مُنہ پھیرتی ہے وہی تمہاری راہ میں بُت ہے۔ سچی گواہی دو اگرچہ تمہارے باپوں یا بھائیوں یا دوستوں پر ہو۔ چاہیئے کہ کوئی عداوت بھی تمہیں انصاف سے مانع نہ ہو۔

باہم "بخل" اور کینہ اور حسد اور بُغض اور بے مہری چھوڑ دو اور ایک ہو جاؤ۔ قرآن شریف کے بڑے حکم دو ہی ہیں۔ ایک توحید و محبت و اطاعت باری عزاسمہٗ۔ دوسری ہمدردی اپنے بھائیوں اور اپنے بنی نوع کی۔ اور ان حکموں کو اس نے تین درجہ پر منقسم کیا ہے۔ جیسا کہ استعدادیں بھی تین ہی قسم کی ہیں اور وہ آیت کریمہ یہ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی ۔ (النحل: 91) پہلے طور پر اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ تم اپنے خالق کے ساتھ اس کی اطاعت میں عدل کا طریق مرعی رکھو ظالم نہ بنو۔ پس جیسا کہ درحقیقت بجُز اُس کے کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں۔ کوئی بھی محبت کے لائق نہیں کوئی بھی توکّل کے لائق نہیں۔ کیونکہ بوجہ خالقیت اور قیومیت و ربوبیت خاصہ کے ہر یک حق اُسی کا ہے۔ اِسی طرح تم بھی اس کے ساتھ کسی کو اُس کی پرستش میں اور اُسکی محبت میں اور اُس کی ربوبیت میں شریک مت کرو۔ اگر تم نے اِس قدر کر لیا تو یہ عدل ہے جس کی رعایت تم پر فرض تھی۔

پھر اگر اس پر ترقی کرنا چاہو تو احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اس کی عظمتوں کے ایسے قائل ہو جاؤ اور اُس کے آگے اپنی پرستشوں میں ایسے متادّب بن جاؤ اور اُس کی محبت میں ایسے کھوئے جاؤ کہ گویا تم نے اُس کی عظمت اور جلال اور اُس کے حُسنِ لازوال

کو دیکھ لیا ہے۔

بعد اس کے ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہاری پرستش اور تمہاری محبت اور تمہاری فرمانبرداری سے بالکل تکلّف اور تصنّع دُور ہو جائے اور تم اُس کو ایسے جگری تعلق سے یاد کرو کہ جیسے مثلاً تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو اور تمہاری محبت اس سے ایسی ہو جائے کہ جیسے مثلاً بچہ اپنی پیاری ماں سے محبت رکھتا ہے۔

اور دوسرے طور پر جو ہمدردی بنی نوع سے متعلق ہے اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ اپنے بھائیوں اور بنی نوع سے عدل کرو اور اپنے حقوق سے زیادہ اُن سے کچھ تعرّض نہ کرو اور انصاف پر قائم رہو۔

اوراگر اس درجہ سے ترقی کرنی چاہو تو اس سے آگے احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تُو اپنے بھائی کی بدی کے مقابل نیکی کرے اور اُس کی آزار کی عوض میں تُو اس کو راحت پہنچاوے اور مروّت اور احسان کے طور پر دستگیری کرے۔

پھر بعد اس کے ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تُو جس قدر اپنے بھائی سے نیکی کرے یا جس قدر بنی نوع کی خیر خواہی بجا لاوے اس سے کوئی اور کسی قسم کا احسان منظور نہ ہو بلکہ طبعی طور پر بغیر پیش نہاد کسی غرض کے وہ تجھ سے صادر ہو جیسی شدت قرابت کے جوش سے ایک خویش دوسرے خویش کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ سو یہ اخلاقی ترقی کا آخری کمال ہے کہ ہمدردی خلائق میں کوئی نفسانی مطلب یا مدّعا یا غرض درمیان نہ ہو بلکہ اخوت و قرابت انسانی کا جوش اس اعلیٰ درجہ پر نشوونما پا جائے کہ خود بخود بغیر کسی تکلّف کے اور بغیر پیش نہاد رکھنے کسی قسم کی شکر گذاری یا دعا یا اور کسی قسم کی پاداش کے وہ نیکی فقط فطرتی جوش سے صادر ہو۔

عزیزو! اپنے سلسلہ کے بھائیوں سے جو میری اس کتاب میں درج ہیں باستثنا اس شخص کے کہ بعد اس کے خدائے تعالیٰ اس کو ردّ کر دیوے خاص طور سے محبت رکھو اور جب تک کسی کو نہ دیکھو کہ وہ اس سلسلہ سے کسی مخالفانہ فعل یا قول سے باہر ہو گیا تب تک اس کو اپنا ایک عضو سمجھو۔ لیکن جو شخص مکّاری سے زندگی بسر کرتا ہے اور اپنی بدعہدیوں یا کسی قسم کے جوروجفا سے اپنے کسی بھائی کو آزار پہنچاتا ہے یا وساوس و حرکاتِ مخالف عہد بیعت سے باز نہیں آتا وہ اپنی بد عملی کی وجہ سے اس سلسلہ سے باہر ہے۔ اس کی پرواہ نہ کرو۔

چاہیئے کہ اسلام کی ساری تصویر تمہارے وجود میں نمودار ہو اور تمہاری پیشانیوں میں اثر سجود نظر آوے اور خدائے تعالیٰ کی بزرگی تم میں قائم ہو۔ اگر قرآن اور حدیث کے مقابل پر ایک جہان عقلی دلائل کا دیکھو تو ہرگز اس کو قبول نہ کرو اور یقیناً سمجھو کہ عقل نے لغزش کھائی ہے۔ توحید پر قائم رہو اور نماز کے پابند ہو جاؤ اور اپنے مولیٰ حقیقی کے حکموں کو سب سے مقدّم رکھو اور اسلام کے لئے سارے دُکھ اُٹھاؤ۔ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (آل عمران: 103)"

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 546 تا 552)

اسی طرح اس کے آخر پر مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے بعض جھوٹے الزامات واعتراضات کا جواب ہے اور سرسید احمد خان صاحب کا الہام کے بارہ میں جو نظریہ تھا اس کی اصلاح وتردید بھی شامل ہے۔

# ہستی باری تعالیٰ کے دلائل

## خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”**تیسری دلیل** جو قرآن شریف سے معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ انسان کی فطرت خود خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک دلیل ہے کیونکہ بعض ایسے گناہ ہیں کہ جن کو فطرت انسانی قطعی طور پر ناپسند کرتی ہے ماں بہن اور لڑکی کے ساتھ زنا ہے۔ پاخانہ پیشاب اور اس قسم کی نجاستوں کے ساتھ تعلق ہے۔ جھوٹ ہے یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے ایک دہریہ بھی پرہیز کرتا ہے مگر کیوں؟ اگر کوئی خدا نہیں تو کیوں؟ وہ کیوں ماں اور بہن اور دوسری عورتوں میں کچھ فرق جانتا ہے۔ جھوٹ کو کیوں بُرا جانتا ہے۔ کیا دلائل ہیں کہ جنہوں نے مذکورہ بالا چیزوں کو اس کی نظر میں بدنما قرار دیا ہے اگر کسی بالائی طاقت کا رعب اس کے دل پر نہیں تو وہ کیوں ان سے احتراز کرتا ہے؟ اسکے لئے تو جھوٹ اور سچ ظلم اور انصاف سب ایک ہی ہونا چاہئے۔ جو دل کی خوشی ہوئی کر لیا۔ وہ کونسی شریعت ہے جو اسکے جذبات پر حکومت کرتی ہے جس نے دل پر اپنا تخت رکھا ہے اور گو ایک دہریہ زبان سے اسکی حکومت سے نکل جائے لیکن وہ اسکی بنائی ہوئی فطرت سے باہر نہیں نکل سکتا اور گناہوں سے اجتناب یا ان کے اظہار سے سے اجتناب اسکے لئے ایک دلیل ہے کہ کسی بادشاہ کی جواب دہی کا خوف ہے جو اسکے دل پر طاری ہے گو وہ اس کی بادشاہت کا انکار ہی کرتا ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَآ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ وَلَآ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ (القیامہ:2،3) یعنی جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نہ خدا ہے نہ جزا سزا ہے ایسا نہیں بلکہ ہم ان امور کی شہادت کے لیے دو چیزیں پیش کرتے ہیں۔ ایک تو اس بات کو کہ ہر بات کے لیے ایک قیامت کا دن مقرر ہے جس میں کہ اس کا فیصلہ ہوتا ہے اور نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ بد مل جاتا ہے اگر خدا نہیں تو جزا سزا کیونکر مل رہی ہے اور جو لوگ قیامت کبریٰ کے منکر ہیں وہ دیکھ لیں کہ قیامت تو اس دنیا سے شروع ہے زانی کو آتشک و سوزاک ہوتا ہے شادی شدہ کو تو نہیں ہوتا حالانکہ دونوں ایک ہی کام کر رہے ہوتے ہیں۔

دوسری شہادت نفس لوّامہ ہے یعنی انسان کا نفس خود ایسے گناہ پر ملامت کرتا ہے کہ یہ بات بری ہے اور گندی ہے دہریہ بھی زنا اور جھوٹ کو برا جانیں گے تکبر اور حسد کو اچھا نہ سمجھیں گے مگر کیوں؟ ان کے پاس تو کوئی شریعت نہیں اس لیے نہ کہ ان کا دل برا مانتا ہے اور دل اسی لیے برا مانتا ہے کہ مجھے اس فعل کی ایک حاکم اعلیٰ کی طرف سے سزا ملے گی گو وہ لفظوں میں اسے ادا نہیں کر سکتا اسی کی تائید میں ایک اور جگہ قرآن شریف میں ہے: فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَ تَقۡوٰىہَا۔ (الشمس:9) اللہ تعالیٰ نے ہر نفس میں نیکی اور بدی کا الہام کر دیا ہے پس نیکی بدی کا احساس خود خدا کی زبردست دلیل ہے اگر خدا نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک چیز کو نیک اور ایک کو بد کہا جاوے جو دل میں آئے لوگ کیا کریں۔

## چوتھی دلیل:

چوتھی دلیل جو قرآن شریف سے ذات باری کے متعلق معلوم ہوتی ہے یہ ہے:وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى۔ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى۔ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا۔ وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى۔ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى۔(النجم:43تا47)یعنی یہ بات ہر ایک نبی کی معرفت ہم نے پہنچادی ہے کہ ہر ایک چیز کا انتہاء اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی جاکر ہوتا ہے اور خواہ خوشی کے واقعات ہوں یا رنج کے وہ خدا ہی کی طرف سے آتے ہیں اور موت اور حیات سب اسی کے ہاتھ میں ہیں اور اس نے مرد و عورت دونوں کو پیدا کیا ہے ایک چھوٹی سی چیز سے جس وقت وہ ڈالی گئی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ ہر فعل کا ایک فاعل ہوتا ہے اور ضرور ہے کہ ہر کام کے کرنے والا بھی کوئی ہو پس اس تمام کائنات پر اگر غور کروگے تو ضرور تمہاری رہنمائی اس طرف ہوگی کہ سب اشیاء آخر جاکر ذات باری پر ختم ہوتی ہیں اور وہی انتہاء ہے تمام اشیاء کی اور اسی کے اشارے سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی ابتدائی حالت کی طرف متوجہ کرکے فرمایا ہے کہ تمہاری پیدائش تو ایک نطفہ سے ہے اور تم تو جوں جوں پیچھے جاتے ہو اور حقیر ہوتے جاتے ہو پھر تم کیونکر اپنے خالق ہوسکتے ہو جب خالق کے بغیر کوئی مخلوق ہو نہیں سکتی اورانسان اپنا آپ خالق نہیں ہے کیونکہ اسکی حالت پر جس قدر غور کریں وہ نہایت چھوٹی اور ادنیٰ حالت سے ترقی کرکے اس حالت کو پہنچتا ہے اور جب وہ موجودہ حالت میں خالق نہیں تو اس کمزور حالت میں کیونکر خالق ہوسکتا تھا تو ماننا پڑے گا کہ اس کا خالق کوئی اور ہے جس کی طاقتیں غیر محدود اور قدرتیں لا انتہاء ہیں۔

غرضیکہ جس قدر انسان کی درجہ بدرجہ ترقی پر غور کرتے جائیں اس کے اسباب باریک سے باریک تر ہوتے جاتے ہیں اور آخر ایک جگہ جاکر تمام دنیاوی علوم کہہ دیتے ہیں کہ یہاں اب ہمارا دخل نہیں اور ہم نہیں جانتے کہ یہ کیوں ہوگیا اور وہی مقام ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کام کر رہا ہوتا ہے اور ہر ایک سائنس دان کو آخر ماننا پڑتا ہے کہ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى یعنی ہر ایک چیز کی انتہاء ہوتی ہے اور آخر ایک ایسی ہستی پر ہوتی ہے کہ جس کو وہ اپنی عقل کے دائرہ میں نہیں لاسکتے اور وہی خدا ہے یہ ایک موٹی دلیل ہے کے جسے ایک جاہل سے جاہل انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔

کہتے ہیں کہ کسی نے ایک بدوی سے پوچھا تھا کہ تیرے پاس خدا کی کیا دلیل ہے اس نے جواب دیا کہ جنگل میں ایک اونٹ کی مینگنی پڑی ہوئی ہو تو میں دیکھ کر بتادیتا ہوں کہ یہاں سے کوئی اونٹ گزرا ہے پھر اتنی بڑی مخلوقات کو دیکھ کر میں معلوم نہیں کرسکتا کہ اس کا کوئی خالق ہے واقعی یہ جواب ایک سچا اور فطرت کے مطابق جواب ہے اور اس مخلوقات کی پیدائش کی طرف اگر انسان توجہ کرے تو آخر ایک ہستی کو ماننا پڑتا ہے کہ جس نے یہ سب پیدا کیا۔

## پانچویں دلیل:

پانچویں دلیل ہستی باری کی جو قرآن شریف نے دی ہے گو اسی رنگ کی ہے لیکن اس سے زیادہ زبردست ہے اور وہاں استدلال بالاَولیٰ سے کام لیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ۔ ۙالَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ۔ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ۔ (الملک:2تا5)

یعنی بہت برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں ملک ہے وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے تاکہ دیکھے کہ تم میں سے کون زیادہ نیک عمل کرتا ہے اور وہ غالب ہے بخشندہ ہے اس نے ساتوں آسمان بھی پیدا کئے اور ان میں آپس میں موافقت اور مطابقت رکھی ہے تو کبھی کوئی اختلاف اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں نہیں دیکھے گا پس اپنی آنکھ کو لوٹا کیا تجھے کوئی شگاف نظر آتا ہے دوبارہ اپنی

نظر کو لوٹا کر دیکھ تیری نظر تیری طرف تھک کر اور ماندہ ہو کر لوٹے گی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تمام کائنات اتفاقاً پیدا ہو گئی اور اتفاقی طور پر مادہ کے ملنے سے یہ سب کچھ بن گیا اور سائنس سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ دنیا خود بخود جڑ کر آپ ہی چلتی جائے اور اس کا پھرانیوالا کوئی نہ ہو۔ لیکن ان کا جواب اللہ تعالیٰ ان آیات میں دیتا ہے کہ اتفاقی طور سے جڑنے والی چیزوں میں کبھی ایک سلسلہ اور انتظام نہیں ہوتا بلکہ بے جوڑی ہوتی ہے۔ مختلف رنگوں سے مل کر ایک تصویر بنتی ہے لیکن کیا اگر مختلف رنگ ایک کاغذ پر پھینک دیں تو اس سے تصویر بن جائے گی۔

اینٹوں سے مکان بنتا ہے لیکن کیا اینٹیں ایک دوسرے پر پھینک دینے سے مکان بن جائے گا۔ بفرض محال اگر یہ مان لیا جائے کہ بعض واقعات اتفاقاً بھی ہو جاتے ہیں لیکن نظام عالم کو دیکھ کر کبھی کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کچھ آپ ہی ہو گیا۔ مانا کہ خود بخود ہی مادہ سے زمین پیدا ہو گئی اور یہ بھی مان لیا کہ اتفاقاً ہی انسان پیدا ہو گیا لیکن انسان کی خلقت پر نظر تو کرو کہ ایسی کامل پیدائش کبھی خود بخود ہو سکتی ہے عام طور سے دنیا میں ایک صفت کی خوبی سے اسکے صنّاع کا پتا لگتا ہے ایک عمدہ تصویر کو دیکھ کر فوراً خیال ہوتا ہے کہ کسی بڑے مصور نے بنائی ہے۔ ایک عمدہ تحریر کو دیکھ کر سمجھا جاتا ہے کہ کسی بڑے کاتب نے لکھی ہے اور جس قدر ربط بڑھتا جائے اسی قدر اسکے بنانے یا لکھنے والے کی خوبی اور بڑائی ذہن نشین ہوتی جاتی ہے پھر کیونکر تصور کیا جاتا ہے کہ ایسی منتظم دنیا خود بخود اور یونہی پیدا ہو گئی۔

ذرا اس بات پر تو غور کرو کہ جہاں انسان میں ترقی کرنے کے قویٰ ہیں وہاں اسے اپنے خیالات کو عملی صورت میں لانے کیلئے عقل دی گئی ہے اور اس کا جسم بھی اس کے مطابق بنایا گیا ہے چونکہ اس کو محنت سے رزق کمانا تھا اس لیے اسے مادہ دیا کہ چل پھر کر اپنا رزق پیدا کرلے درخت کا رزق اگر زمین میں رکھا ہے تو اسے جڑیں دیں کہ وہ اس کے اندر سے اپنا پیٹ بھرلے۔ اگر شیر کی خوراک گوشت رکھی تو اسے شکار مارنے کے لئے ناخن دیئے اور اگر گھوڑے اور بیل کیلئے گھاس کھانا مقدر کیا تو ان کو ایسی گردن دی جو جھک کر گھاس پکڑ سکے اور اگر اونٹ کے لیے درختوں کے پتے اور کانٹے مقرر کئے تو اس کی گردن بھی اونچی بنائی کیا یہ سب کارخانہ اتفاق سے ہوا۔ کیا اتفاق نے اس بات کو معلوم کر لیا تھا کہ اونٹ کو گردن لمبی دوں اور شیر کو پنجے اور درخت کو جڑیں اور انسان کو ٹانگیں۔

ہاں کیا یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو کام خود بخود ہو گیا اس میں اس قدر انتظام رکھا گیا پھر اگر انسان کے لئے پھیپھڑا بنایا تو اس کے لیے ہوا بھی پیدا کی اگر پانی پر اسکی زندگی رکھی تو سورج کے ذریعہ بادلوں کی معرفت اسے پانی پہنچایا اور اگر آنکھیں دیں تو ان کے کار آمد بنانے کیلئے سورج کی روشنی بھی دی تا کہ وہ اس میں دیکھ بھی سکے کان دیئے تو ساتھ اس کے خوبصورت آوازیں بھی پیدا کیں زبان کے ساتھ ذائقہ دار چیزیں بھی عطا فرمائیں ناک پیدا کیا تو خوشبو بھی مہیا کر دی ممکن تھا کہ اتفاق انسان میں پھیپھڑا پیدا کر دیتا لیکن اس کے لئے یہ ہوا کا سامان کیونکر پیدا ہو گیا اور ممکن تھا کہ آنکھیں انسان کی پیدا ہو جاتیں لیکن وہ عجیب اتفاق تھا کہ جس نے کروڑوں میلوں پر جا کر ایک سورج بھی پیدا کر دیا تا کہ وہ اپنا کام کر سکیں اگر ایک طرف اتفاق نے کان پیدا کر دیئے تھے تو یہ کونسی طاقت تھی جس نے دوسری طرف آواز بھی پیدا کر دی برفانی ممالک میں مان لیا کہ کتے یا ریچھوں کو تو اتفاق نے پیدا کر دیا لیکن کیا سبب کہ ان کتوں یا ریچھوں کے بال اتنے لمبے بن گئے کہ وہ سردی سے محفوظ رہ سکیں۔

اتفاق ہی نے ہزاروں بیماریاں پیدا کیں اتفاق ہی نے ان کے علاج بنا دیئے اتفاق ہی نے بچھو بوٹی جس کے چھونے سے خارش ہونے لگ جاتی ہے پیدا کی اور اس نے اس کے ساتھ پالک کا پودا اگا دیا کہ اس کا علاج ہو جائے۔ دہریوں کا اتفاق بھی عجیب ہے کہ جن چیزوں کے لیے موت تجویز کی ان کے ساتھ توالد کا سلسلہ بھی قائم کر دیا اور جن چیزوں کے ساتھ موت نہ تھی وہاں یہ سلسلہ ہی نہیں رکھا انسان اگر پیدا ہوتا اور مرتا نہیں تو کچھ سالوں میں ہی دنیا کا خاتمہ ہو جاتا اس لیے اس کے ساتھ فنا لگا دی لیکن سورج اور چاند اور زمین نہ نئے پیدا ہوتے ہیں نہ اگلے فنا ہوتے ہیں۔

کیا یہ انتظام کچھ کم تعجب انگیز ہے کہ زمین اور سورج میں چونکہ کشش رکھی ہے اس لیے ان کو ایک دوسرے سے اتنی دور رکھا

کہ آپس میں ٹکرا نہ جاویں کیا یہ باتیں اس بات پر دلالت نہیں کرتی ہیں کہ ان سب چیزوں کا خالق وہ ہے جو نہ صرف علیم ہے بلکہ غیر محدود علم والا ہے اس کے قواعد ایسے منضبط ہیں کہ ان میں کچھ اختلاف نہیں اور نہ کچھ کمی ہے مجھے تو اپنی انگلیاں بھی اس کی ہستی کا ایک ثبوت معلوم ہوتی ہیں مجھے جہاں علم دیا تھا اگر شیر کا پنجہ مل جاتا تو کیا میں اس سے لکھ سکتا تھا شیر کو علم نہیں دیا اسے پنجے دیئے مجھے علم دیا لکھنے کے لیے انگلیاں بھی دیں۔

سلطنتوں میں ہزاروں مدبّر انکی درستی کے لئے رات دن لگے رہتے ہیں لیکن پھر بھی دیکھتے ہیں کہ ان سے ایسی ایسی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں کہ جن سے سلطنتوں کو خطرناک نقصان پہنچ جاتا ہے بلکہ بعض اوقات بالکل تباہ ہو جاتی ہیں لیکن اگر اس دنیا کا کاروبار صرف اتفاق پر ہے تو تعجب ہے کہ ہزاروں دانا دماغ تو غلطی کرتے ہیں لیکن یہ اتفاق تو غلطی نہیں کرتا لیکن سچی بات یہی ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو بڑے وسیع عالم کا مالک اور عزیز ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو یہ انتظام نظر نہ آتا۔اب جس طرف نظر دوڑا کر دیکھو تمہاری نظر قرآن شریف کے ارشاد کے مطابق خائب و خاسر نظر آئے گی اور ہر ایک چیز میں ایک انتظام معلوم ہو گا نیک جزاء اور بدکار سزا پا رہے ہیں ہر ایک چیز اپنا مفوضہ کام کر رہی ہے اور ایک دم کے لئے سست نہیں ہوئی یہ ایک بہت وسیع مضمون ہے لیکن میں اسے یہیں ختم کرتا ہوں۔عاقل را اشارہ کافی است۔

## دلیل ششم:

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منکر ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں اور یہ بھی ایک ثبوت ہے ان کے باطل پر ہونے کا کیونکہ اللہ اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ فتوحات دیتا ہے اور وہ اپنے مخالفوں پر غالب رہتے ہیں اگر کوئی خدا نہیں تو یہ نصرت اور تائید کہاں سے آتی ہے چنانچہ فرعون موسیٰ کی نسبت فرماتا ہے کہ :فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی فَاَخَذَہُ اللّٰہُ نَكَالَ الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی۔ (النّٰزِعٰت:26،25)یعنی جب حضرت موسیٰؑ نے اسے اطاعت الٰہی کی نسبت کہا تو اس نے تکبر سے جواب دیا کہ خدا کیسا، خدا تو میں ہوں پس اللہ تعالیٰ نے اسے اس جہاں میں بھی اور اگلے جہاں میں بھی ذلیل کر دیا چنانچہ فرعون کا واقعہ ایک بیّن دلیل ہے کہ کس طرح خدا کے منکر ذلیل و خوار ہوتے رہتے ہیں علاوہ ازیں دنیا میں کبھی کوئی سلطنت دہریوں نے قائم نہیں کی بلکہ دنیا کے فاتح اور ملکوں کے مصلح اور تاریخ کے بنانے والے وہی لوگ ہیں کہ جو خدا کے قائل ہیں کیا یہ انکی ذلت و نکبت اور قوم کی صورت میں کبھی دنیا کے سامنے نہ آنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔

## دلیل ہفتم:

اللہ تعالیٰ کی ہستی کی یہ ہے کہ اس کی ذات کے ماننے والے اور اس پر ایمان رکھنے والے اور اس پر حقیقی ایمان رکھنے والے ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں اور باوجود لوگوں کی مخالفت کے ان پر کوئی مصیبت نہیں آتی۔خدا تعالیٰ کی ہستی کے منوانے والے ہر ملک میں پیدا ہوئے ہیں اور جس قدر ان کی مخالفت ہوئی ہے اتنی اور کسی کی نہیں لیکن پھر دنیا اس کے خلاف کیا کر سکی۔

رامچندر کو بن باس دینے والوں نے کیا سکھ پایا؟اور راون نے کونسی عشرت حاصل کرلی؟کیا رامچندر کا نام ہزاروں سال کے لیے زندہ نہیں ہو گیا اور کیا راون کا نام ہمیشہ کے لیے بدنام نہیں ہوا؟اور کرشنؑ کی بات کا رد کر کے کوروں نے کیا فائدہ حاصل کیا۔کیا وہ کروچھتر کے میدان میں تباہ نہ ہوئے؟فرعون بادشاہ جو بنی اسرائیل سے اینٹیں پتھواتا تھا اس نے موسیٰؑ جیسے بے کس انسان کی مخالفت کی مگر کیا موسیٰؑ کا کچھ بگاڑ سکا؟وہ غرق ہو گیا اور موسیٰؑ بادشاہ ہو گئے۔

حضرت مسیحؑ کی دنیا نے جو کچھ مخالفت کی وہ بھی ظاہر ہے اور انکی ترقی بھی جو کچھ ہوئی پوشیدہ نہیں ان کے دشمن تو تباہ ہوئے اور ان کے غلام ملکوں کے بادشاہ ہو گئے۔ہمارے آقا بھی دنیا میں سب سے زیادہ اس پاک ذات کے نام کے پھیلانے والے تھے یہاں تک کے ایک یورپ کا مصنف کہتا ہے کہ ان کو خدا کا جنون تھا(نعوذ باللہ)ہر وقت خدا خدا ہی کہتے رہتے تھے۔ان کی سات قوموں نے

مخالفت کی اپنے پرائے سب دشمن ہوگئے مگر کیا پھر آپ کے ہاتھ پر دنیا کے خزانے فتح نہیں ہوئے؟ اگر خدا نہیں تو یہ تائید کس نے کی؟ اگر یہ سب کچھ اتفاق تھا تو کوئی مبعوث تو ایسا ہوتا جو خدا کی خدائی ثابت کرنے آتا اور دنیا اسے ذلیل کر دیتی مگر جو کوئی خدا کے نام کو بلند کرنے والا اٹھا وہ معزز اور ممتاز ہی ہوا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ: مَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (المائدہ:57) اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسول اور مؤمنوں سے دوستی کرتا ہے پس یاد رکھنا چاہیئے کہ یہی لوگ خدا کے ماننے والے ہی غالب رہتے ہیں۔

## دلیل ہشتم:

آٹھویں دلیل جو قرآن شریف سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت میں ملتی ہے یہ ہے کہ وہ دعاؤں کو قبول کرتا ہے جب کوئی انسان گھبرا کر اس کے حضور میں دعا کرتا ہے تو وہ اسے قبول کرتا ہے۔ اور یہ بات کسی خاص زمانہ کے متعلق نہیں بلکہ ہر زمانہ میں اس کے نظارے موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ: اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔ (البقرہ:187) یعنی جب میرے بندے میری نسبت سوال کریں تو انہیں کہہ دو کہ میں ہوں اور پھر قریب ہوں پکارنے والے کی دعا کو سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے پس چاہیئے کہ وہ بھی میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

اب اگر کوئی شخص کہے کہ کیونکر معلوم ہو کہ دعا خدا سنتا ہے کیوں نہ کہا جائے کہ اتفاقاً بعض دعا کرنے والے کے کام ہو جاتے ہیں جیسے بعض کے نہیں بھی ہوتے۔ اگر سب دعائیں قبول ہو جائیں تب بھی کچھ بات تھی لیکن بعض کے قبول ہونے سے کیونکر معلوم ہو کہ اتفاق نہ تھا بلکہ کسی ہستی نے قبول کر لیا تو اسکا جواب یہ ہے کہ دعا کی قبولیت اپنے ساتھ نشان رکھتی ہے۔ چنانچہ ہمارے آقا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثبوت باری تعالیٰ کی دلیل میں یہ پیش کیا تھا کہ چند بیمار جو خطرناک طور پر بیمار ہوں چنے جائیں اور بانٹ لئے جائیں اور ایک گروہ کا ڈاکٹر علاج کریں اور ایک طرف میں اپنے حصہ والوں کیلئے دعا کروں پھر دیکھو کہ کس کے بیمار اچھے ہوتے ہیں۔ اب اس طریق امتحان میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

چنانچہ ایک سگ گزیدہ جسے دیوانگی ہوگئی اور جس کے علاج سے کسولی کے ڈاکٹروں نے قطعاً انکار کر دیا تھا اور لکھ دیا تھا کہ اس کا کوئی علاج نہیں اس کے لئے آپ نے دعا کی اور وہ اچھا ہو گیا حالانکہ دیوانے کتے کے کٹے ہوئے دیوانہ ہو کر کبھی اچھے نہیں ہوتے۔ پس دعاؤں کی قبولیت اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو انہیں قبول کرتی ہے اور دعاؤں کی قبولیت کسی خاص زمانہ سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ ہر زمانے میں اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔ جیسے پہلے زمانہ میں دعائیں قبول ہوتی تھیں ویسے ہی اب بھی ہوتی ہیں۔

## دلیل نہم:

نویں دلیل قرآن شریف سے وجود باری کی الہام معلوم ہوتی ہے۔ یہ دلیل اگرچہ میں نے نویں نمبر پر رکھی ہے لیکن درحقیقت نہایت عظیم الشان دلیل ہے جو خدا تعالےٰ کے وجود کو یقینی طور سے ثابت کر دیتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ۔ (ابراہیم:28) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو اس دنیا اور اگلی دنیا میں پکی باتیں سنا سنا کر مضبوط کرتا رہتا ہے۔

پس جب کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایک بڑی تعداد کے ساتھ ہم کلام ہوتا رہتا ہے تو پھر اس کا انکار کیونکر درست ہو سکتا ہے اور نہ صرف انبیاءؑ اور رسولوں کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے بلکہ اولیاء سے بھی باتیں کرتا ہے اور بعض دفعہ اپنے کسی غریب بندہ پر بھی رحم کر کے اس کی تشفّی کیلئے کلام کرتا ہے۔ چنانچہ اس عاجز سے بھی اس نے کلام کیا اور اپنے وجود کو دلائل سے ثابت کیا۔ پھر یہی نہیں بعض دفعہ نہایت گندے اور بدباطن آدمیوں سے بھی ان پر حجت قائم کرنے کیلئے بول لیتا ہے۔

چنانچہ بعض دفعہ چوہڑوں، چماروں، کنچنیوں تک کو خوابیں اور الہام ہو جاتے ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ وہ کسی زبردست ہستی کی طرف سے ہیں یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ان میں غیب کی خبریں ہوتی ہیں جو اپنے وقت پر پوری ہو کر بتا دیتی ہیں کہ یہ انسانی دماغ کا کام نہ تھا اور نہ کسی بد ہضمی کا نتیجہ تھا اور بعض دفعہ سینکڑوں سال آگے کی خبریں بتائی جاتی ہیں تا کہ کوئی یہ نہ کہدے کہ موجودہ واقعات خواب میں سامنے آگئے اور وہ اتفاقاً پورے بھی ہو گئے۔

چنانچہ توریت اور قرآن شریف میں مسیحیوں کی ان ترقیوں کا جن کو دیکھ کر اب دنیا حیران ہے پہلے ذکر موجود تھا اور پھر صریح لفظوں میں تفصیل کے ساتھ۔ بلکہ ان واقعات کا بھی ذکر ہے جو آئندہ پیش آنے والے ہیں مثلاً: اِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ۔(التکویر:5) یعنی ایک وقت آتا ہے کہ **اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی** اور حدیث مسلم میں اس کی تفسیر یہ ہے: وَلَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا۔(”صحیح مسلم“کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ ابن مریم حاکما بشریعۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیث: 243)یعنی اونٹنیوں سے کام نہ لیا جائے گا۔ چنانچہ اس زمانے میں ریل کے اجراء سے یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ ریل کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ایسے ایسے اشارے پائے جاتے ہیں جن سے ریل کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور یقین ہو جاتا ہے کہ کلام نبوت میں بھی سواری (مراد) ہے جو حبس ماء(steam) سے چلے گی اور اپنے آگے دھوئیں کا ایک پہاڑ رکھے گی اور سواری اور باربرداری کے لحاظ سے حمار کی طرح ہو گی اور چلتے وقت ایک آواز کرے گی وَغَيْرُ ذٰلِكَ۔

**دوم:** اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ۔(التکویر:11)یعنی کتابوں اور نوشتوں کا بہ کثرت شائع ہونا آجکل بباعث چھاپہ کی کلوں کے جس قدر اس زمانہ میں کثرت اشاعت کتابوں کی ہوئی ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔

**سوم:** اِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ۔(التکویر:8)نوع انسان کے باہمی تعلقات کا بڑھنا اور ملاقاتوں کا طریق سہل ہو جانا کہ موجودہ زمانے سے بڑھ کر متصور نہیں۔

**چہارم:** تَرۡجُفُ الرَّاجِفَۃُ۔ تَتۡبَعُہَا الرَّادِفَۃُ۔(النّٰزعٰت:7،6)متواتر اور غیر معمولی زلزلوں کا آنا یہاں تک کہ زمین کانپنے والی بن جائے سو یہ زمانہ اس کے لئے بھی خصوصیت سے مشہور ہے۔

**پنجم:** وَاِنۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اِلَّا نَحۡنُ مُہۡلِکُوۡہَا قَبۡلَ یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ اَوۡ مُعَذِّبُوۡہَا۔(بنی اسرائیل:59) کوئی ایسی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے پہلے پہلے ہلاک نہیں کریں گے یا کسی حد تک اس پر عذاب وارد نہیں کریں گے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں طاعون اور زلزلوں اور طوفان اور آتش فشاں پہاڑوں کے صدمات اور باہمی جنگوں سے لوگ ہلاک ہو رہے ہیں اور اس قدر اسباب موت کے اس زمانہ میں جمع ہوئے ہیں اور اس شدت سے وقوع میں آئے ہیں کہ اس مجموعی حالت کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔

پھر اسلام تو ایسا مذہب ہے کہ ہر صدی میں اس کے ماننے والوں میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں جو الہام الٰہی سے سرفراز ہوتے رہتے ہیں اور خارق عادت نشانات سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک قادر و توانا، مدبّر بالارادہ ہستی ہے۔ چنانچہ اس زمانہ کے مأمور پر نہایت بے بسی و گمنامی کی حالت میں خدا نے وحی نازل کی: یَاْتِیۡکَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ... یَنۡصُرُکَ رِجَالٌ نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ... وَلَا تُصَعِّرۡ لِخَلۡقِ اللّٰہِ وَلَا تَسۡئَمۡ مِنَ النَّاسِ۔(”براہین احمدیہ“روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 267،268 حاشیہ) کہ ہر ایک راہ سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اور ایسی کثرت سے آئیں گے کہ وہ راہیں عمیق ہو جائیں گی۔ تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم آپ القاء کریں گے مگر چاہیئے کہ تو خدا کے بندوں سے جو تیرے پاس آئیں گے بد خلقی نہ کرے اور چاہئے کہ تو ان کی ملاقاتوں سے تھک نہ جائے۔

ایک شخص ایک گاؤں میں رہنے والا جس کے نام سے مہذب دنیا میں سے کوئی آگاہ نہ تھا یہ اعلان کرتا ہے پھر باوجود سخت مخالفتوں اور روکوں کے ایک دنیا دیکھتی ہے کہ امریکہ اور افریکہ سے لے کر تمام علاقوں کے لوگ یہاں حاضر رہتے ہیں اور آدمیوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان سب سے مصافحہ و ملاقات کرنا معمولی آدمی کا کام نہیں۔ ایک مقتدر جماعت اپنے پیارے وطن کو چھوڑ کر

یہاں رہنا اختیار کرتی ہے اور قادیان کا نام تمام دنیامیں مشہور ہو جاتا ہے کیا یہ چھوٹی سی بات ہے اور یہ ایسانشان ہے جسے معمولی نظر سے ٹال دیا جائے؟

دوم: عیسائیوں میں سے ڈوئی نے امریکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے یہ ناپاک کلمات شائع کئے کہ ''میں خدا سے دعا کرتا ہوں وہ دن جلد آئے کہ اسلام دنیا سے نابود ہو جائے اے خدا تو ایسا ہی کر۔ اے خدا اسلام کو ہلاک کر'' تو صرف یہ حضور مسیح موعود ہمارے امام علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے اس کے مقابلہ میں اشتہار دیا کہ اے شخص جو مدعی نبوت ہے آ اور میرے ساتھ مباہلہ کر ہمارا مقابلہ دعا سے ہو گا اور ہم دونوں خدا تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ ہم میں سے جو شخص کذّاب ہے وہ پہلے ہلاک ہو (ٹیلیگراف 5 جولائی 1903ء) لیکن اس نے رعونت سے کہا۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں ان مچھروں اور مکھیوں کا جواب دوں گا اگر میں اپنا پاؤں ان پر رکھوں تو ان کو کچل کر مار ڈالوں (ڈوئی کا پرچہ دسمبر 1903ء) مگر حضور نے فرمایا تھا اور اسی اشتہار 23 اگست 1903ء میں شائع کیا تھا کہ اگر ڈوئی مقابلہ سے بھاگ گیا تب بھی یقیناً سمجھو کہ اس کے سیحون پر جلد مصیبت آنے والی ہے۔ اے خدا اور کامل خدا یہ فیصلہ جلد کر اور ڈوئی کا جھوٹ لوگوں پر ظاہر کر دے۔

پھر اس کے بعد معزز ناظرین سنو کیا ہوا۔ وہ جو شہزادوں کی زندگی بسر کرتا تھا جس کے پاس سات کروڑ نقد تھا۔ اس کی بیوی اور اس کا بیٹا دشمن ہو گئے اور باپ نے اشتہار دیا کہ وہ ولد الزنا ہے آخر اس پر فالج گرا پھر غموں کے مارے پاگل ہو گیا۔ آخر مارچ 1907ء میں بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ جیسا کہ خدا نے اپنے مأمور کو پہلے اطلاع دی اور جیسا کہ حضرت اقدس نے 20 فروری 1907ء کے اشتہار میں شائع فرمایا تھا۔ خدا فرماتا ہے کہ ''میں ایک تازہ نشان ظاہر کروں گا جس میں فتح عظیم ہو گی وہ تمام دنیا کے لیے ایک نشان ہو گا۔'' ہلاک ہو کر خدا کی ہستی پر گواہی دے گیا۔ یہ عیسائی دنیا، پرانی دنیا نئی دنیا، دونوں پر حضور کی فتح تھی......

## دلیل دہم:

دسویں دلیل جو ہر ایک نزاع کے فیصلہ کے لیے قرآن شریف نے بیان فرمائی ہے اس آیت سے نکلتی ہے کہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت:70) یعنی جو لوگ ہمارے متعلق کوشش کرتے ہیں ہم انکو اپنی راہ دکھا دیتے ہیں اور اس آیت پر جن لوگوں نے عمل کیا وہ ہمیشہ نفع میں رہے ہیں۔ وہ شخص جو خدا تعالیٰ کا منکر ہو اسے تو ضرور خیال کر لینا چاہئے کہ اگر خدا ہے تو اس کے لئے بہت مشکل ہو گی۔

پس اس خیال سے اگر سچائی کے دریافت کرنے کی اس کے دل میں تڑپ ہو تو اسے چاہئے کہ گڑ گڑا کر اور بہت زور لگا کر وہ اس رنگ میں دعا کرے کہ اے خدا اگر تو ہے اور جس طرح تیرے ماننے والے کہتے ہیں تو غیر محدود طاقتوں والا ہے تو مجھ پر رحم کر اور مجھے اپنی طرف ہدایت کر اور میرے دل میں بھی یقین اور ایمان ڈال دے تا کہ میں محروم نہ رہ جاؤں اگر اس طرح سچے دل سے کوئی شخص دعا کرے گا اور کم سے کم چالیس دن تک اس پر عمل کرے گا تو خواہ اس کی پیدائش کسی مذہب میں ہوئی ہو اور وہ کسی ملک کا باشندہ ہو رب العالمین اس کو ضرور ہدایت کرے گا اور وہ جلد دیکھ لے گا کہ اللہ تعالیٰ ایسے رنگ میں اس پر اپنا وجود ثابت کر دے گا کہ اس کے دل سے شک و شبہ کی نجاست بالکل دور ہو جائے گی اور یہ تو ظاہر ہے کہ اس طریق فیصلہ میں کسی قسم کا دھوکہ نہیں ہو سکتا پس سچائی کے طالبوں کے لئے اس پر عمل کرنا کیا مشکل ہے؟

فی الحال ان دس دلائل پر ہی میں اپنا مضمون ختم کرتا ہوں اور گو قرآن شریف میں اور دلائل بھی ہیں لیکن میں سر دست انہیں پر اکتفا کرتا ہوں اگر کوئی اس پر غور کرے گا تو انہیں دلائل میں سے اس کے لئے اور دلائل بھی نکل آئیں گے واللہ المستعان۔

آخر میں ان احباب سے جن کے ہاتھ میں یہ پمفلٹ پہنچے استدعا کرتا ہوں کہ اسے پڑھنے کے بعد کسی اور ایسے دوست کو دے دیں کہ جس کے لئے اسے مفید سمجھیں۔''[1]

1۔ ''دس دلائل ہستی باری تعالیٰ'' انوار العلوم جلد 1 صفحہ 421 تا 431

## ردّ دہریت: قسط پنجم

# زمین پر زندگی کی ابتداء اور خدا کا "ہاتھ"

(وسیمہ اُپل صاحبہ (آسٹریلیا) بنت پروفیسر چوہدری رحمت علی مسلم صاحب (مرحوم))

نظام کائنات میں سے زندگی کا کرۂ زمین پر موجود ہونا خدا تعالیٰ کی ہستی کا ایک ایسا ناقابل تردید ثبوت ہے جو ہر غور اور فکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی ہستی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ بدقسمتی سے دہریت کے حامی اس نہایت خوبصورت دلیل ہستی باری تعالیٰ کو ایک اندھے ارتقاء کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ایک ایسا اتفاق جو کائنات کی بے ترتیبی اور اندھا دھند پھیلاؤ کے نتیجہ میں ظہور میں آیا۔ زیر نظر مضمون ایسی ہی سوچ کا ایک محققانہ جواب ہے جس میں بالتفصیل اس نظریہ کی نفی کی گئی ہے۔ چنانچہ گزشتہ اقساط میں ہم نے دیکھا کہ کس طرح بیرونی کائنات میں زندگی کی ابتداء ہوئی، پھر زمین پر وہ ماحول پیدا ہوا کہ جس کی موجودگی زندگی کی ابتداء کے لئے ضروری تھی اور اس کے بعد کس طرح ایک خاص مقدار میں اور خاص ترتیب کے ساتھ کیمیکلز نے پروٹینز کو بنایا۔ ہم نے دیکھا کہ قرآن مجید نے ان تمام مراحل کا ذکر نہایت خوبصورت انداز میں کیا ہوا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس بعد کے مراحل بھی کیسے نپے تلے اور محتاط تھے جو ایک عظیم خالق کی ہستی کا پتہ دیتے ہیں۔

### ابتدائی کرۂ ارض اور زندگی بننے کا عمل

زمین پر زندگی شروع ہونے کا عمل ایک لمبے عرصے پر محیط کیمیائی عمل یعنی chemical evolution کہلاتا ہے جس کے لئے بہت سی ضروریات requirements چاہئیں تھیں جن میں سب سے اہم وہ chemicals تھے جن سے زندگی کی اکائی (fundamental unit) یعنی cell بنا۔ جیسا کہ گزشتہ اقساط میں بتایا جا چکا کہ یہ chemicals کائنات میں بن کر آئے جہاں ان کے بننے کے لئے حالات مناسب تھے۔

Chemical evolution کے لئے سب سے اہم ضرورت یہ تھی کہ اس کے لئے ایک مناسب medium درکار تھا اور اس کا بندوبست اوپر کائنات میں ہی ہوا اور وہ "پانی" تھا۔ یہ ایک بڑا ہی حیران کر دینے والا liquid ہے جو دو گیسوں یعنی ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مرکب ہے اور جب ان کا ملاپ ہوتا ہے تو ملنے کا ڈھنگ، طریقہ ایسا ہے کہ اس کے نتیجے میں بننے والا "پانی" اپنی بہت سی نئی اور منفرد خصوصیات لے کر آتا ہے جس میں سب سے اہم یہ ہے کہ پانی بہت درست medium ہے جس میں بے شمار chemicals حل ہو جاتے ہیں اور ان کو ایک جگہ رہنے کے لئے مہیا ہو جاتی ہے۔ اس قرار مکین میں chemical reactions ہونے کے لئے اور لوازمات factors بھی درکار تھے۔ لیکن اس پانی نے اپنے structure یعنی ساخت سے یہ واضح کیا کہ اس میں غیر معمولی خاصیتیں ہیں اور انہی کے باعث زندگی کی ابتدا کرنے، اسے evolve کرنے اور بقا کے لئے پانی کا بہت درست role رہا ہے۔ پانی ہی وہ medium تھا

کہ chemical reactions آرام سے ہوتے رہے کیونکہ اس کی خاصیت ہے کہ اس کا درجۂ حرارت مستقل (constant) رہتا ہے۔ قدرت کی اتنی بڑی نعمت آج ہر جاندار کی بنیادی ضرورت ہے لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ زندگی کی ابتدا کے لئے یہ سب سے بڑی بنیادی ضرورت تھی۔ آج زندگی کی بقا کے لئے آکسیجن بھی بہت اہم ہے مگر شروع کی زمین پر آکسیجن نہ تھی اور یہ تو بہت اچھا ہوا کیونکہ یہ بہت reactive گیس ہے۔ اس وقت اس کی موجودگی زندگی بنانے کے chemicals کی توڑ پھوڑ (break down) کر دیتی اور cell بننے کا کوئی امکان نہ رہتا۔

کیمیائی ارتقاء کے لئے energy کی بھی ضرورت تھی جو شروع میں زمین پر آتش فشاں پہاڑوں کے لاوہ سے مل رہی تھی اس کے نتیجہ میں بے شمار بجلی کی گرج چمک اور سورج سے بہت UV radiations آ رہی تھیں کیونکہ ابھی ozone حفاظت کے لئے میسر نہ تھی اس کے علاوہ اور بھی radiations زمین پر آ رہی تھیں۔

زندگی بنانے کے لئے شروع سے meteorites کے ذریعے ضروری اجزا آ چکے تھے جو پانی میں موجود تھے اور پانی بھی ساتھ ہی اوپر سے آیا تھا۔ پس زندگی بنانے کے لئے تمام حالات سازگار ہوئے آج سے 4 بلین سال سے بھی پہلے اور زمین تو 4.6 بلین سال قبل بنی تھی۔ امریکہ کے مشہور ماہر حیاتیات اور سائنس کے محقق پروفیسر 2004-1946 (Neil Allison Campell) جو بہترین استاد کا مرتبہ رکھتے تھے اور Outstanding Prof. Award of excellence حاصل کیا نیز Biology کی بہترین کتب کے مصنف تھے ان کے مطابق سب سے پرانی life زمین پر بہت سادہ bacteria تھے یعنی صرف Prokaryotes اور یہ دنیا کے مختلف ساحلی علاقوں میں ملنے والے fossils سے ثابت ہے۔ یہ microbes زمین کی زندگی کے شروع کے چند ملین سالوں میں بن گئے تھے۔ اس کا ثبوت وہ چٹانیں اور lagoons ہیں جہاں ایسی life پائی جاتی ہے مثال کے طور پر Baja California lagoon میں وسیع علاقے پر ان کے mats یعنی sedimentary structures ہیں۔ اس کے علاوہ آسٹریلیا کے مغربی علاقوں میں ساحل سمندر پر پائی جانے والی sedimentary rocks جن کو Stromatolites کہتے ہیں ان Stromatolites کی age 3.5 بلین سال پرانی ہے اس کے علاوہ جنوبی افریقہ کی چٹانیں Fig Tree Chart بھی 3.4 بلین سال پرانی ایسی ہی life کی داستان بیان کر رہی ہیں۔

Prof Dr. Campbell کے مطابق یہ Cyanobacteria کے fossils ہیں جو Sediments کے landed domes کی شکل میں ہیں اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایسے bacteria آج بھی دنیا کے نمکین دلدلی علاقوں میں ملتے ہیں۔ یہ layers ان bacteria سے بنیں جن کے cells کی سطح (jelly (surface کی طرح کے چپکنے والے material سے بنی تھی۔ مزید تعجب کی بات ہے کہ یہ bacteria چلنے والے یعنی motile تھے۔ اور ایک layer کے اوپر دوسری layer بناتے تھے۔ (Prof. Campbell کی مشہور کتاب Biology میں اس کی تصاویر موجود ہیں) بہر حال ان bacteria کا ارتقاء میں بہت بڑا role ہے انہی نے اوکسیجن بنائی اور زمین کی تاریخ کی بہت بڑی تبدیلی کے نتیجہ میں ارتقاء کا دوسرا مرحلہ وہ cells بنے جن کو eu-karyote کہتے ہیں۔ ان سب کی variety کی وجہ وہ عظیم کارنامہ قدرت تھا یعنی DNA اور ہر جاندار کی اپنی اپنی ”کتاب زندگی“ Genetic Codes جو اس کی اگلی نسل میں اسی طرح آج بھی موجود ہیں۔

(Biology (Revised Edition 2011) by Neil A. Campbell, Jane B. Reece. Published by Boston: Pearson Learning Solutions)

زمین سے ملنے والے حقائق یعنی fossils سے معلوم ہو چکا کہ زمین پر زندگی کم از کم 4 ملین سال قبل بنی شروع ہوئی ہوگی اور یہ عمل بہت جلد شروع ہوا اور سب سے اول بننے والے cell جن کو prokaryotes کہتے ہیں وہ زمین پر -Chemical evolu tion سے بنے جب زمین solid ہو چکی تھی چاند بن چکا تھا اور پانی کے اندر ضروری chemicals موجود تھے۔ زمین پر حالات مناسب تھے آکسیجن نہ تھی جو ان chemicals کو oxidize کر دیتی بلکہ فضا سازگار (electron adding-reducing) تھی اور اسی نے چھوٹے molecules کو ملا کر بڑے (polymers (molecules بنانے میں مدد کی ہوگی یعنی nucleotides مل کر پہلے RNA

بنا پھر amino acid مل کر proteins اور nucleotides (جو دوسری قسم کے تھے یعنی چار bases A G,C T کے ساتھ Deoxyribose sugar اور phosphate) کے ملنے سے DNA (Deoxyribonucleic acid) اس سارے عمل کے لئے بہت زیادہ energy کی بھی ضرورت تھی اور وہ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے Ultraviolet radiations کے علاوہ lightening سے مل رہی تھی لیکن یہ ممکن ہی نہ تھا کہ جو molecules پانی میں موجود تھے وہ خود بخود مل کر وہ بڑے molecules بن جاتے جو زندگی (call) بنانے کے لئے ضروری تھے اس لئے کچھ اور factors بھی درکار تھے جیسے کہ چاند نے کچھ مدد کرتی تھی اور bacteria کا بھی کچھ کام تھا نیز ان molecules کو کسی مناسب سطح پر رکنا تھا اور وہ چکنی مٹی کی صورت میں میسر ہوئی۔

چاند جو بہت شروع میں (4.5 بلین سال قبل) بن چکا تھا اُس کا بہت بڑا عمل دخل اس زمین کی مستقبل کی زندگی اور life کی ابتدا کرنے میں تھا وہ محلول جو سمندروں میں تھا اُس میں chemical reaction کو تیز کرنے کے لئے چاند بہت کام کرنے والا تھا کیونکہ اُس وقت اُسکی gravity کی شدت بہت زیادہ تھی اور نتیجہ پانی کی tides نہ صرف اونچی بنتی تھیں بلکہ بہت دور تک جاتی تھیں۔ پانی زور شور سے ساحل کی مٹی اور پتھروں کو ٹکراتا تھا اور جو نیچی جگہیں تھیں وہاں پھر ٹھہر جاتا۔ اس طرح کچھ تالاب بن گئے۔ انہی میں evolution کا وہ اہم عمل ہوا جس میں bacteria نے کام کیا۔ قرآن نے اسے حماء مسنون کہا ہے اس bacteria تھے جو decomposition کا کام کر رہے تھے اور آج بھی کرتے ہیں چاند کی وجہ سے لہروں (tides) کا آنا اور واپس جانا بہت ضروری تھا۔

ان ponds میں پانی کا آنا اور جانا لاکھوں سال جاری رہا جس کے ذریعہ گیلا اور خشک cycle اُن energies کے زیر اثر رہا جو پہلے سے موجود تھیں۔ Chemical اور mechanical طاقتیں (forces) بہت گرمی مہیا ہونے سے polymerization یعنی بڑے molecules بنتے ہیں Polymerization کے لئے بہت مناسب surface درکار ہوتی ہے Professor Campbell نے یہی خیال ظاہر کیا تھا کہ سب سے اچھی سطح clay ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے سائنس دانوں نے بھی اسی نظریہ کو ثابت کیا ہے۔ Clay کی gel کی طرح کی سطح نے ہی cell کے لئے lipid بننے میں مدد دی اور اسی سے cell کی covering بنی۔

کچھ سائنس دانوں کا نظریہ ہے کہ مٹی کی ایک قسم Mica (silicate mineral) کا structure بھی layered ہے جن میں 0.5nm۔ space ہے۔ اور یہ RNA space اور DNA کے phosphate کے لئے بڑی مناسب ہے۔ Mica کی اور خاصیت یہ بھی ہے کہ potassium, magnesium اور iron کو ارد گرد کی environment میں جانے کے مدد کرتی ہے اور یہ cations زندگی کے بنانے کے لئے ضروری ہیں اس لئے ہو سکتا ہے شروع میں simple cell (Protobionts) بنانے میں مدد دی ہو۔ Mica کی thick (nanometer) nm۔ sheets ایسی ہی ہیں جیسے پودوں کے cell کی cell wall ہوتی ہے۔

ستمبر 2010ء کے شمارہ (Journal of Theoretical Biology) میں ایک مضمون چھپا تھا بعنوان Possible Origin of Life between Mica sheets جس میں Helen Greenwood Hansma نے ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے ممکن ہے Mica میں بھی خاصیت ہو چکنی مٹی کی طرح اور life کے اہم اجزا نے Mica کو imitate کیا ہو۔ لیکن clay والا نظریہ بہر حال زیادہ درست ہے کیونکہ clay زیادہ محفوظ جگہ مہیا کرتا ہے اس کے علاوہ یہ زندگی کی ابتدا کرنے کے لئے بہت اچھا framework تھا۔

## چکنی مٹی کی اہمیت تخلیق کے سفر میں

خالق کائنات رب کریم نے مٹی کے تعلق سے تخلیق کا کئی جگہ ذکر فرمایا جو قرآن میں ملتا ہے۔ الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ وَ بَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ۔ (السجدہ:8) ترجمہ: وہی ہے جس نے ہر چیز کو بہت اچھا بنایا اور اس نے انسان کی پیدائش کا آغاز گیلی مٹی سے

کیا۔ ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ۔ (السجدہ:9) ترجمہ: پھر اس (انسان کی) نسل ایک معمولی سے پانی کے نچوڑ سے بنائی۔

ان آیات میں cell کے بننے کا پہلا عمل (یعنی ارتقاء کی پہلی کڑی) اور پھر continuity کا ذکر ہے جس کے لئے جس cell کا ذکر آتا ہے وہ "نطفہ" ہے۔ (المؤمنون:14)

لیکن ہم یہاں سب سے پہلے بننے والے cell کا ذکر کریں گے جس کے بننے کے لئے جو الفاظ آئے ہیں وہ مختلف stages کی نشان دہی کر رہے ہیں اور انہی کو سمجھنا ضروری ہے۔

طِيۡنٍ: گیلی مٹی جیسے گارا، یہ clay ہی ہوتی ہے جس سے برتن بنتے ہیں۔

صَلۡصَالٍ: خالص مٹی جو بہت اہم ہے کیونکہ اس میں chemicals ہوتے ہیں۔

صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ: خالص مٹی جس میں chemicals اور وہ گرمی (جس میں بہت energy ہو) ایک دوسری form میں چلی جائے جیسے baked clay۔

طِيۡنٍ لَّازِبٍ: چکنے والی مٹی جو چپکتی اور تہہ بہ تہہ ہوتی کیونکہ اس کو chemicals چپکتے اور اس کی ہئیت بدلتی ہے۔

یہ سب حالتیں مٹی کی جو بدل رہی تھیں کیونکہ chemicals کی وجہ سے reactions ہو رہے تھے۔ مٹی خشک ہوتی پھر گیلی۔ پھر موسم کا اثر اور مختلف energies کا عمل دخل (role) ہوتا۔

یہ 1982ء کی بات ہے جب سکاٹ لینڈ کی گلاسگو یونیورسٹی ایک کیمسٹری کے ماہر Cairns Smith نے یہ اہم نظریہ پیش کیا کہ clay ہی وہ جگہ تھی جہاں زندگی بنی۔ اور بعد میں ایک اور مصنف Walter Murch نے article 27 ستمبر 2017 میں "Theory on the Origin of Life"، "Creativity and Cairns Smiths" Cairns Smith کے نظریہ کو support کیا کہ clay ہی وہ supporting structure تھا جس میں جہاں وہ chemicals ملے جن سے life بنتی۔ clay crystals کا اپنی ساخت کی وجہ سے بہت اہم role ہے کیونکہ اس کی sticky surface کی وجہ سے (جو اس کی chemistry ہے) ایک ایسی حالت بن جاتی ہے کہ مزید layer upon layer (sedimentation) کا عمل وقوع پذیر ہوتا ہے۔

Cairns Smith نے 1987 میں پھر مضمون لکھا جس کا عنوان تھا "Genetic Takeover and Mineral Origin of Life" اور 1990 میں "Seven Clues to the Origin of Life" ان مضامین کا خلاصہ یہی تھا کہ clay crystals کی یہ خاصیت ہے کہ وہ کچھ "خاص" قسم کے molecules کو اپنی surface پر چپکاتے ہیں اور پھر ان میں polymerization کے بعد خود بخود تقسیم ہونے کی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے اس طرح یہ chemicals (مثلاً RNA اور DNA) اپنے clay والی سواریوں vehicles کی خاصیت حاصل کرنے کی وجہ سے آزادی سے کام کرنے لگتے ہیں جو وہ پہلے نہ کر سکتے تھے۔ Crains Smith نے BBC کی ایک خاتون Martha Henriques کو 24 اگست 2016 میں اس کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ چکنی مٹی کے برتن clay pottery میں بہت عجیب خواص ہیں۔ یہ بہت چھوٹے (tiny crystals) سے بنی ہے جن کے بڑے خوبصورت patterns ہیں اور ہر crystals کی اپنی ہی خاص نوعیت (peculiarity) ہے اور وہ اسے اپنی اگلی "نسل" (daughter crystals) کو منتقل کرتی ہے بالکل ایسے ہی جس طرح جاندار (living organisms) اپنی خاصیتیں (traits) اپنے والدین سے inherit کرتے ہیں۔ جب ایک crystal ٹوٹتی ہے تو اس صدمہ (stress) کے نتیجہ میں ایک نئی خاصیت بن جاتی ہے۔ یہ زندہ چیزوں میں mutation کہلاتی ہے جس کے نتیجے میں نئے نئے traits یعنی خواص بنتے ہیں۔

میرے خیال میں Cairns Smith کا نظریہ بہت amazing تھا مگر افسوس کہ کسی نے اس طرف توجہ نہ دی اور وہ funds کی کمی کی وجہ سے مزید تحقیق نہ کر سکا اسی سال اس کی وفات ہو گئی۔

Professor Campell کا بھی خیال تھا کہ clay بہت اہم ہے کیونکہ اس کی ساخت بہت موزوں جگہ ہے۔ clay کی charged sites ہوتی ہیں جن کے ساتھ monomers لگ جاتے ہیں۔ RNA کے nucleotides اور proteins کے amino acids۔
clay میں iron اور Zinc کی وجہ سے amino acids کی قسم "attract" ہوتی ہو گی اور وہ nucleotides جن میں "D" قسم کی sugars۔ اس کے علاوہ iron اور Zine ایک اور کام بھی ہیں کرتے ہیں کہ ان کا عمل Catalyst کی طرح ہے یعنی reaction کو تیز کرتے ہیں تا کہ monomers جیسے کہ nucleotides اور amino acids جڑ سکیں۔ Prof. Campbell کا یہ بھی خیال ہے کہ clay نے lattice کی طرح کام کیا ہو گا تا کہ monomers اس کے ساتھ چپک جائیں جیسے scaffolding عمارت بنانے کے لئے۔
Clay کے بارے میں حالیہ سالوں میں مزید سائنس دانوں نے بھی تحقیق کی اور بہت سے مقالے منظر عام پر آئے جیسے کہ Ox-ford University کے پروفیسر Donald Frarer (b.Oct 1949) جن کا تعلق Earth Science کے Department سے ہے۔ ان کا ایک مقالہ اپریل 2011 میں اور ایک دوسرا 2017 اور جولائی 2018 کا ہے جن کے عنوان ہیں۔

Did Clay mold Life's Origin
Mineral Surface Chemistry Control for Origin of prebiotic peptides. Dec 2017
Peptide Formation on Layered Mineral Surfaces: Role of Brucite- Like Minerals.... July 2018

اس کے علاوہ Donald Fraser کی اور بھی تحقیق اسی topic کے متعلق ہے کہ کس طرح زمین کی ساخت (geology) اور clay نے proteins اور دوسرے compounds (DNA'RNA) کے بننے میں مدد کی۔ نیز یہ کہ DNA اور RNA نے کس طرح ہمیشہ "L" قسم کے amino acids کو Code کیا اور کہا یہ تو "راز" (mystery) ہے جو حل نہیں ہو سکتا (Can't be Solved)
Professor Fraiser نے یہ بھی تجربہ کیا clay system کو استعمال کر کے کہ clay ہی ہے جو پروٹین بنانے کے لئے amino acids کو selection کرتی ہے۔ اسی سے clay کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔
ہمارے لئے ایسی تحقیقات اسی لئے اہم ہیں کہ صرف قرآن وہ سچی کتاب ہے جس میں ارتقاء کے مراحل میں clay کا ذکر کیا گیا اور یہ خدا کی ہستی کا واضح ثبوت ہے۔ صدیوں تک سائنس دان اس حقیقت سے بے خبر تھے۔ کاش وہ قرآن کو ہی دیکھ لیتے یا کوئی علم رکھنے والے مسلمان سائنس دان نے ان کو اس طرف توجہ دلائی ہوتی۔ افسوس مسلمان اپنے علم کے لحاظ سے ریسرچ کے میدان سے باہر گھوم رہے ہیں۔
Clay کی بہت (5nm) fine layers بھی اہم ہیں خاص طور پر RNA بنانے کے لئے اور پروٹین کے بننے کے لئے جب left handed amino acids کی selection ہوتی ہے۔ نوبل انعام یافتہ Jack Szostak (جس نے cell کی تخلیق اور اس کے "زندہ" ہونے پر بہت تحقیق کی ہے اس کا بعد میں ذکر ہو گا) نے کہا تھا کہ clay کی اہمیت fatty acids بنانے میں بھی ہے ان cells کے لئے جو شروع میں بنے کیونکہ انہی سے اور protein سے cells کی covering یعنی membrane بنتی ہے۔
NASA کے سائنس دانوں مثلاً Glavin اور Dworkin نے بھی clay کی اہمیت اور selection behavior کا ذکر کیا تھا جب وہ Murchison اور Orgueil (جو جنوب مغربی فرانس میں 1864 میں گرا تھا) Meteorites پر تحقیق کر رہے تھے۔ ان کے مطابق ان بہت پرانے (5.5 بلین سال پرانے) Meteorites میں نا صرف "L" قسم کے amino acids + کی بہتات تھی بلکہ گیلی چکنی مٹی بھی تھی۔ دلچسپ بات یہی تو ہے کہ قرآن نے اس "طین" کا ہی ذکر کیا ہے اور سائنس دان کہہ رہے ہیں کہ space میں بھی clay ہی اسی طرح کا منتخب رویہ (selection behavior) دکھاتی ہے۔ یہ کوئی اندھا اصول نہ تھا کہ کسی بھی chemical کو کوئی بھی پکڑ کر لے آئے۔ انہیں تحقیقات سے دہریہ سائنس دانوں خاص طور پر Richard Dawkins کا جھوٹ ثابت ہوتا ہے اور قرآن سچا نیز خدا کا وجود بھی ثابت ہوتا ہے۔
Prof. Fraser کی مزید تحقیق جاری ہے جس سے معلوم ہو گا کہ amino acids کس طرح clay کی layers کے ساتھ interact کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ clay نے تحقیق کے اور بھی میدان کھول دیئے جیسے کہ فارمیسی کے ادارے اسی قسم کی surface

کو استعمال کر کے Chiral drugs بنا سکیں گے۔

Dan Luo نے (جو Cornell یونیورسٹی امریکہ میں Biology اور Environment Engineering کے شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں) DNA اور پروٹین پر کافی تحقیق کی ہے ان کا کہنا تھا کہ clay ایک hydrogel ہے جس کے ساتھ molecules چپکتے ہیں کیونکہ اس میں پانی کی وجہ سے کیمیاوی عمل ہوتے ہیں۔ اس قسم کی surface تجربہ گاہ میں بنالی جاتی ہے جو sponge کی طرح ہوتی ہے۔ اس کے بہت چھوٹے microscopic سوراخوں کے باعث chemicals اس پر چپکتے ہیں (Science Daily, 5 Nov. 2013)

چکنی مٹی (جس کو قرآن میں طین کہا گیا ہے) ایسی ہی surface تھی جس پر کروڑوں سال تک molecules چپکتے رہے اور forces اور energies ان پر عمل کرتی رہیں جن کے نتیجے میں chemical reactions ہوئے اور بڑے chemicals جیسے پروٹین DNA,RNA اور Lipids بنے جن کی organization سے cell بنا۔

ان تمام حقائق کو بتانے کا مقصد یہی ہے کہ clay جو ایک hydrogel کی طرح تھی اس کی نہ صرف اہمیت تھی بلکہ وہ Birth place تھی جہاں cells بنتے تھے۔ پانی اس کو بار بار cover کرتا تھا حفاظت کے لئے اور مناسب medium تھا ارتقاء کے مزید مراحل کے لئے۔ یہ بھی بات قابل ذکر ہے کہ پہلے سائنس دان یہی سمجھتے رہے کہ زندگی بنانے کے chemicals سمندر میں ہی بنتے رہے اور وہاں صرف lightening سے energy ملتی تھی۔ مگر clay کے بارے میں علم ہونے سے ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ آج بھی cell کے اندر Cytoplasm ایک ایسی environment مہیا کرتا ہے جو بالکل ایسے ہی hydrogel کی سی ہے جس سے نہ صرف مختلف قسم کی پروٹین enzymes اور DNA,RNA کی حفاظت ہوتی ہے بلکہ ہر قسم کے chemical reactions بھی عمدگی سے ہوتے ہیں اور clay نے شروع میں یہی کام کیا تھا۔ clay ہی تھی جو صَلْصَالٍ بنی پھر صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ تاکہ چھوٹے organic compounds سے بڑے کمپاؤنڈ بنیں اور پھر ترتیب سے منظم ہو کر چھوٹا سا اور simple-cell بنے (Protocell) اور اس کے گرد covering ہو جو ان contents کی حفاظت کرے جو اندر ہیں۔

سائنس دان آج بھی ششدر ہیں کہ کس طرح یہ سب process بڑی درستگی اور منظم طریق پر ہو رہا تھا اور سچ تو یہی ہے کہ زمینی تبدیلیاں اور حالات بڑی عمدگی سے Biological حالات سے مطابقت رکھتے ہیں سائنس دان اور بھی حیران ہیں کہ چکنی مٹی پانی والی اور چپکانے کی خاصیت والی (clay hydrogel) کیسے اتنا اعلیٰ کام کر رہی تھی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ چکنی مٹی کی خاصیتیں ایسی ہیں کہ ان کی وجہ سے آج دنیا کی بہت سی مشہور یونیورسٹیوں کے سائنس دان اس پر تحقیق کر رہے ہیں جبکہ آج سے پچاس سال قبل جب اکیلا Cairns Smith اس طرف توجہ دلا رہا تھا تو کسی نے بھی نہ تو اس کی مالی معاونت کی اور نہ ہی اس کے نظریے کو قبول کیا۔ لیکن بہت سے سائنس دان اب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ زندگی کی ابتدا کرنے کے لئے چکنی مٹی کا بہت اہم role ہے۔ چنانچہ کیمبرج یونیورسٹی کے شعبہ فلکیات کے سائنس دان Dr. Craig Walton اور ساتھیوں کا مقالہ (2020) زمین پر زندگی کے آغاز کے متعلق شائع ہوا Prebiotic Chemistry in the Wild: جس میں انہوں نے اپنا موقف پیش کیا کہ زمین کی کیمسٹری کا زندگی کا آغاز کرنے کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ چکنی مٹی اپنی خاصیتوں کی وجہ سے نہ صرف molecules کو select کر کے ساتھ چپکاتی ہے بلکہ ان کی concentration کو بڑھاتی ہے اس کے علاوہ چھوٹے molecules کو جوڑ کر بڑے molecules بناتی ہے جو ایک اہم (polymerization stage) ہے کیمیاوی ارتقاء میں Cairns Smith نے بہت پہلے واضح کیا تھا کہ clay میں ایک خاصیت "یادداشت" کی ہے اس لئے یہ "ٹھپہ" template کی طرح کام کرتی ہے۔ یہ information کو transfer کرتی ہے۔ اسی لئے شاید یہ خاصیت RNA میں منتقل ہوئی جو clay پر بنا اور self replication کی خوبی رکھتا تھا۔ Enzyme کی طرح کام کرتا تھا۔ چکنی مٹی نے stable environment مہیا کی۔ پس ہم جانتے ہیں کہ زندگی ایک خوبصورت structure plan پر ہی شروع ہوئی۔ **خالق مصوّر تھا۔**

(جاری ہے)

# تختِ سلیمان: تاریخی، اساطیری اور تحقیقی جائزہ

(اے۔ ظفر)

تختِ سلیمان شمال مغربی ایران میں ایک قدیم مذہبی و تاریخی مقام ہے جسے فارسی میں "تخت سلیمان" یعنی حضرت سلیمانؑ کا تخت کہا جاتا ہے (Britannica) یہ نام اسلامی دور میں اس جگہ کو دیئے گئے اساطیری حوالوں کا مظہر ہے۔ روایات کے مطابق لوگوں کا اعتقاد تھا کہ اتنے عظیم اور حیرت انگیز آثار صرف حضرت سلیمانؑ جیسے صاحب معجزہ فرمانروا کے حکم اور ماورائی قوتوں کی مدد سے ہی تعمیر ہو سکتے تھے اور عام انسانوں کے بس سے باہر ہیں۔

اسلامی دور کی لوک روایتوں میں حضرت سلیمانؑ سے منسوب دیگر مقامات کی طرح اس جگہ کو بھی تقدس عطا کرنے کی خاطر یہی نام رائج ہوا۔ بعض محققین کے نزدیک ممکن ہے کہ قبل از اسلام مقدس سمجھے جانے والے مقامات کی حفاظت کے لیے مسلمانوں نے انہیں انبیاء کے ناموں سے جوڑ دیا ہو۔ چنانچہ ایران میں کئی قدیم آثارات کو سلیمان نبیؑ سے منسوب نام دیئے گئے، جیسے شیراز کے قریب تختِ جمشید کو بعض اوقات تختِ سلیمان بھی کہا جاتا ہے (اگرچہ یہاں جمشید مراد ہے) اور اسی طرح دیگر آثار کو "سلیمان" کے نام سے محفوظ کیا گیا۔ تختِ سلیمان کے معاملے میں بھی عربوں کی فتوحات کے بعد یہ بائبلی نام رواج پا گیا۔ عوامی قصوں میں آیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نافرمان دیوؤں اور جنات کو ایک قریب واقع گہرے غار نما کنویں میں قید کرتے تھے جسے "زندانِ سلیمان" (سلیمان کی قید گاہ) کہتے ہیں۔ اسی نسبت سے اُس قلعہ نما ٹیلے کو "تختِ سلیمان" یعنی سلیمان کا تخت کہا جانے لگا۔

یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ تختِ سلیمان نام اپنی ترکیب کے لحاظ سے خالص فارسی ہے (مضاف و مضاف الیہ کی فارسی ترتیب کے ساتھ)، کیونکہ ترکی زبان میں اس ترکیب کو "سولیمان تختی" کہنا چاہیئے تھا۔ یہ اشارہ کرتا ہے کہ یہ نام اسلامی ایران کی پیداوار ہے نہ کہ مقامی ترکمانی روایت کی۔ اردو میں بھی "تختِ سلیمان" عربی اور فارسی ترکیب ہے جو اسی مفہوم کو ادا کرتی ہے۔

## تاریخی نام اور لغوی پہلو:

قبل از اسلام اور ابتدائی اسلامی دور میں اس مقام کو دیگر ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ ساسانی دور میں اسے شیز کہا جاتا تھا اور بعض روایتوں میں گَنزَک یا گنجک (یونانی: گزکا یا گزق) بھی اسی شہر کا نام بتایا گیا ہے۔ عرب جغرافیہ نگار یاقوت حموی لکھتے ہیں: "شیز آذربائیجان میں ایک علاقہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زرتشت نبیُ مجوس اسی بستی سے تھا"

مزید برآں یاقوت، مسعر بن مہلہل (ابودُلف) کا بیان نقل کرتے ہیں جس کے مطابق شیز شہر کے اردگرد پہاڑوں میں سونے، چاندی، شنگرف (سینابَر)، سیسہ (لیڈ)، پارے اور دیگر معدنیات کی کانیں تھیں۔ یہ حوالہ ظاہر کرتا ہے کہ عرب سیاح شیز کو نہ صرف ایک مقدس مقام بلکہ ایک مالامال خطہ بھی گردانتے تھے (یاقوت حموی) بعض اسلامی مورخین نے ذکر کیا ہے کہ اسی علاقے میں آتش کدہ اور شہر شیز واقع تھا جسے کسریٰ اول (نوشیروان) کے عہد میں تعمیر کیا گیا۔

تاریخی طور پر شیز کا مقام کچھ بحث کا باعث بھی بنا ہے۔ بعض مستشرقین (جیسے مارکوارت اور راولنسن) نے شیز / تختِ سلیمان کو قدیم مادائی سلطنت (آتروپاتین) کے دارالحکومت ''فرہ آسپ'' (Phraaspa) کے برابر قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق سکندر اعظم کے بعد 36 ق م میں اشکانی بادشاہ فرہاد چہارم اور رومی جرنیل انتونیوس کے مابین جنگ میں جس قلعہ فرہ آسپ کا محاصرہ ہوا تھا، وہ یہی مقام تھا۔ لیکن ایرانی محقق عباس زریاب خوئي وغیرہ اس سے اختلاف کرتے ہیں اور ''شیز'' کو موجودہ تختِ سلیمان کی بجائے مراغہ کے نزدیک گَنزَہ (گنزک) نامی مقام پر تلاش کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ ان کے مطابق شیز ایک وسیع علاقہ تھا جس کا ایک حصہ گنزک کہلاتا تھا جہاں ساسانی شاہان کا گرمائی دارالحکومت تھا۔[1]

اسلامی دور میں، خصوصاً ایلخانی عہد (13ویں،14ویں صدی عیسوی) میں، اس مقام کا ترکمانی نام سُغورلُق/ Suqurluq یا سَقُورلق مروج تھا۔ یہ لفظ پرندے سُغور کے حوالے سے ہے جو مقامی ترک زبان میں ایک پہاڑی خرگوش یا مارموٹ نما جانور کو کہتے تھے۔ ترکمانی میں ''سوغورلو'' کا مطلب ہے ''وہ جگہ جہاں سوغور بکثرت ہوں'' یا ایسی زمین جو پانی جذب کر لے۔ درحقیقت اس علاقے میں پائے جانے والے چھوٹے جنگلی جانوروں (ممکنہ طور پر الوبر یا مارموٹ) کی کثرت کے باعث یہ نام رکھا گیا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہاں کی karst زمین تیزی سے پانی جذب کر لیتی ہے اس لیے سوغورماق (پانی کھینچ لینا) کے معنوں میں سوغورلوق کہا گیا۔ ایلخانی دور میں حمداللہ مستوفی نے اپنی کتاب نزہۃ القلوب میں اس جگہ کو ''ستوریق'' یا ''سقورلیق'' کے نام سے یاد کیا ہے، اور بیان کیا ہے کہ مغول حکمران اس مقام کو گرمائی اقامت گاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے (مستوفی)۔ موجودہ دور میں بھی آس پاس کے کوہستان کو مقامی لوگ ''کوہِ بلقیس'' (بلقیس پہاڑ، ملکہ سبا کے نام پر) کہتے ہیں، اور اس سے جڑی ایک روایت کا ذکر آگے آئے گا۔

الغرض، موجودہ مقبول نام تختِ سلیمان ساتویں صدی ہجری (تیرہویں عیسوی) کے بعد عام ہوا۔ اس نام نے آج تک بقا رکھی ہے اور اب یہ مقام یونیسکو کے عالمی ثقافتی ورثے میں ''Takht-e Soleyman'' کے نام سے درج ہے (UNESCO,2003)

## تاریخی جائزہ:

### قدیم زمانہ (قبل از ہخامنشی):

تختِ سلیمان کا علاقہ قبل از تاریخ سے آباد رہا ہے۔ آثار قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خطہ کم از کم نویں اور آٹھویں صدی قبل مسیح میں مانائی سلطنت (Mannaeans) کا حصہ تھا۔ تختِ سلیمان کے مغرب میں تقریباً 3 کلومیٹر دور ایک مخروطی پہاڑی ہے جسے زندانِ سلیمان کہا جاتا ہے۔ تحقیق کے مطابق یہ پہاڑ دراصل ایک قدیم آتش فشانی مخروط ہے جس کے اندر ایک گہرا قدرتی غار موجود ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ زندانِ سلیمان اصل میں ایک پہاڑ پر قائم قدیم مذہبی مزار تھا جو بعد میں مانائی قوم نے شاید پناہ گاہ (قلعہ) کے طور پر استعمال کیا (۹/۸ویں صدی ق م)۔ آسوری کتبوں میں بھی اس خطے کا ذکر ملتا ہے۔ یہاں رہنے والے قدیم قبائل لولوبی اور گُتی کہلاتے تھے اور بعد میں یہ علاقہ مانا کہلایا۔

اس بات کے بھی شواہد ملتے ہیں کہ آہنی دور میں یہ علاقہ ایک مقدس مقام تھا۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں قریبی آتش فشانی سرگرمیوں (قدرتی دہکتے چشموں) نے اس جگہ کو تقدس عطا کیا ہو۔ زندانِ سلیمان کی مخروطی چٹان کے بارے میں خیال ہے کہ ہزاروں سال قبل اس کے دہانے سے نکلنے والے گرم پانی اور گیسوں نے مقامی لوگوں کی توجہ کو جذب کیا ہوگا، چنانچہ یہاں کسی دیوی یا دیوتا کی پرستش شروع ہوئی۔

### عہدِ ہخامنشی و اشکانی:

ہخامنشی سلطنت (559–330 ق م) کے دوران بھی انسانی سرگرمیوں کے کچھ آثار اس مقام پر ملتے ہیں۔ مثلاً ٹیلۂ تخت

1 Encyclopaedia Iranica

سلیمان پر بعض ابتدائی تعمیرات پانچویں صدی ق م (ہخامنشی عہد) کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔ البتہ اس دور میں یہ مقام مرکزی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ بعد ازاں اشکانی سلطنت (تقریباً 250ق م–224ء) میں بھی یہاں آبادی کے نشانات ملے ہیں۔ اشکانی دور کی کچھ فصیلوں یا تعمیرات کی بنیادی دیواریں یہاں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر، تخت سلیمان کے موجودہ بلند ٹیلے کے شمالی حصے میں پانچویں–چوتھی صدی ق م کی ایک منظم مٹی کی اینٹوں کی تعمیر کا سراغ ملا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اشکانی دور تک یہ مقام کسی نہ کسی درجے پر اہم رہا، اگرچہ تفصیلی تاریخی حوالہ جات کم ہیں۔

## عہدِ ساسانی: آتش کدہ آذر گشنسب کا قیام:

ایران میں ساسانی سلطنت (224–651ء) کے عہد میں تختِ سلیمان کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی۔ ساسانیوں نے اوائل 5ویں صدی عیسوی کے آس پاس یہاں ایک عظیم الشان مذہبی مرکز قائم کیا۔ اُس زمانے میں یہ جگہ شیز کہلاتی تھی اور سلطنتِ ساسانی کے سرکاری مذہب زرتشت کے ایک اہم آتش کدے کی آماجگاہ بنی۔ ساسانی بادشاہوں نے یہاں ایک مقدس آتش کدہ آذر گُشنَسپ (پہلوی میں آتور گشنسپ) تعمیر کیا، جو ایک گہرے قدرتی جھیل کے کنارے واقع تھا۔ روایت کے مطابق آذر گشنسب یعنی "گھوڑ سواروں (سپاہیوں) کی آگ"، زرتشتی مذہب کے تین عظیم آتش کدوں میں سے ایک تھا۔ یہ آتش کدہ مملکت کے فوجی طبقے اور شاہی خاندان کا تبرک سمجھا جاتا تھا۔ درحقیقت زرتشتی روایات میں تین عظیم آتشکدوں کا ذکر ہے: آذر فرنبغ (موبدان کے لیے)، آذر گشنسب (جنگجوؤں کے لیے) اور آذر برزین مہر (عوام و دہقانوں کے لیے)۔ آذر گشنسب آتشکدہ ماضی میں آتورپاتکان (آذربائیجان) کے دارالحکومت گزک (گنجک) میں تھا لیکن ساسانی دور میں اسے وہاں سے شیز منتقل کیا گیا۔ بعد کے اسلامی مورخین نے بھی اس آتش کدہ کا ذکر کیا ہے اور عام طور پر اسے شہنشاہ کسریٰ اوّل (انوشیروان، 531–579ء) کے زمانے کی بنیاد کہتے ہیں۔

آذر گشنسب کے گرد ساسانیوں نے ایک وسیع مذہبی کمپلیکس اور شہر تعمیر کیا۔ چاروں طرف بیضوی شکل کی مضبوط فصیل (تقریباً 1200 میٹر محیط) بنائی گئی جس کی موٹائی 5 میٹر اور موجودہ باقی ماندہ اونچائی 14 میٹر ہے۔ اس دیوار میں 38 نیم مخروطی برج تھے اور شمال، جنوب اور جنوب مشرق کی سمتوں میں دروازے رکھے گئے تھے۔ قلعہ نما شہر کے اندرونی حصہ کو "تخت" کہا جاتا تھا جس کے بالائی سطح پر مرکزی عبادت گاہیں اور شاہی عمارات تھیں۔ بیضوی دیوار کے عین درمیان ایک قدرتی چشمے کا بنا ہوا گہرا جھیل نما تالاب واقع ہے جس کا قطر تقریباً 80 میٹر ہے۔ یہ ایک کارسٹ جھیل ہے جس کی گہرائی 60 سے 120 میٹر تک بتائی جاتی ہے۔ یہ افسانوی جھیل چیچست سے مشابہت رکھتی ہے جس کا ذکر اوستا میں آیا ہے اور بعض محققین کے نزدیک چیچست دراصل بحیرہ ارومیہ کا اوستائی نام تھا۔ ممکن ہے کہ تختِ سلیمان کی یہ جھیل اسی مقدس چیچست کی ایک عکاسی سمجھی گئی ہو۔ پانی کے بلند سطح پر آنے سے یہ جھیل عرصۂ دراز تک لبریز رہتی تھی اور فصیل سے باہر کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے ساسانی دور میں نہریں بھی نکالی گئی تھیں۔ چونا کے اجزا والے پانی نے صدیوں میں جھیل کے کنارے مضبوط چونے کی تہہ جما دی تھی، جس سے یہ قدرتی ٹیلہ اور بلند ہو گیا ہے۔

مرکزی آتش کدہ آذر گشنسب اس حصار کے اندر شمالی دروازے کے قریب واقع تھا۔ آثار بتاتے ہیں کہ یہ آتشکدہ روایتی ساسانی چار طاق طرز پر بنا ایک کمرہ تھا جس کے وسط میں مقدس آگ دہکتی ہوگی۔ اس آتشکدہ کو ساسانی مذہبی روایات میں دل کا درجہ حاصل تھا اور اسے سلطنت کی فتح و کامرانی کی ضمانت تصور کیا جاتا تھا۔ تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ساسانی شاہان تخت نشینی یا جنگی کامیابی کے بعد اس آتشکدہ پر حاضری دیتے اور نذرانے پیش کرتے تھے۔

مثال کے طور پر، پانچویں صدی عیسوی میں شاہ بہرام پنجم (بہرام گور) نے ترک خاقان کے خلاف جنگ سے قبل آذر گشنسب پر آکر دعائیں مانگیں۔ فتح کے بعد اس نے بطور شکرانہ ترک خاقان کا جواہر نگار تاج و شمشیر اور دیگر قیمتی ہدایا آتشکدہ کو نذر کیے، نیز ترک خاقان کی گرفتار ملکہ کو اسی آتشکدہ کی خدمت پر مامور کر دیا۔ مشہور عادل بادشاہ خسرو اول انوشیروان نے بھی فتح

ہنودر (ہنوں پر فتح) کے بعد ایسے ہی نذرانے اس آتشکدہ کو بھیجے۔ بعد ازاں خسرو دوم پرویز نے باغی سردار بہرام چوبین کو شکست دینے کے بعد سونے چاندی کے زیورات اس آتشکدہ کو نذر کیے، کیوں کہ اس نے منت مانی تھی کہ اگر فتح یاب ہوا تو آذرگشنسب کی خدمت میں قیمتی تحفے پیش کرے گا۔ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آذرگشنسب صرف ایک عبادت گاہ ہی نہیں بلکہ ساسانی طاقت کا روحانی مرکز تھا جہاں کی کامیابیوں کو خدائی رضا کا اشارہ سمجھا جاتا تھا۔

## تختِ سلیمان کی تباہی اور ابتدائی اسلامی دور:

ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں ساسانی سلطنت کو بازنطینی (رومی) افواج کے ہاتھوں کاری ضربیں لگیں۔ رومی شہنشاہ ہرقل (ہرکولیس) نے 623–624ء میں ایک جوابی جارحانہ مہم کے دوران آذربائیجان تک پیش قدمی کی۔۔ مشہور مستشرق آرتھر کرسٹنسن کے مطابق سن 624ء میں ہرقل کی فوج نے شیز پر دھاوا بول کر آذرگشنسب کے مقدس آتشکدہ کو تباہ کر دیا۔ ساسانی شہنشاہ خسرو پرویز اس وقت عراق کی جانب محاذ پر تھا؛ جب اسے ہرقل کی یلغار کی خبر ملی تو وہ پسپا ہوتے ہوئے شہر شیز سے مقدس آتش (فروزاں شعلہ) کو نکال کر ساتھ لے گیا تاکہ دشمن کے ہاتھ نہ لگے۔ ہرقل نے چند روز تک فتح کا جشن اسی مقام پر منایا اور قیمتی غنائم سمیت واپس روانہ ہوا۔ اس حملے میں آتشکدہ سخت نقصان کا شکار ہوا اور شہر کی شان و شوکت ماند پڑ گئی۔

چند سال بعد 636–642ء کے دوران عرب مسلمان افواج نے ساسانی سلطنت کو شکست دے کر ایران فتح کرنا شروع کیا۔ آذربائیجان کا یہ علاقہ بھی 20ھ /640ء کے آس پاس اسلامی تسلط میں آگیا۔ روایت ہے کہ عرب سپہ سالار مغیرہ بن شعبہ نے شیز کے لوگوں سے صلح کر کے اسے امن سے فتح کیا۔ یوں غالباً اس مقدس مقام کو تباہی سے بچا لیا گیا اور مقامی زرتشتیوں کو جزیہ کے عوض عبادت جاری رکھنے کی اجازت ملی۔ متعدد اسلامی تاریخوں میں بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت کی رات فارس کے آتشکدوں کی مقدس آگیں بجھ گئیں جو ہزار سال سے روشن تھیں۔ اہل ایران اس واقعہ کو بہت بڑے فال (omen) کے طور پر دیکھتے تھے۔ روایات کے مطابق آذرگشنسب کی آگ بھی شاید اسی رات پہلی بار سرد پڑی۔ بعد ازاں جب مسلمان حکمرانوں کا دور آیا تو زرتشتی مذہب کو اہلِ کتاب کی حیثیت سے محدود تحفظ حاصل رہا، لیکن رفتہ رفتہ اس آتشکدہ کی رونق ماند پڑ گئی۔ پھر بھی، قرونِ اولیٰ کے دوران کچھ عرصہ تک یہاں زرتشتی عبادات ہوتی رہیں۔ مسعودی (10ویں صدی) نے ذکر کیا ہے کہ آتشکدہ آذرگشنسب اسلامی دور میں بھی قائم رہا، اگرچہ اس نے نام غلطی سے "آذرخش" لکھا ہے (مسعودی)۔ ابودُلف کی 10ویں صدی کی سیاحت اور یاقوت کے 13ویں صدی کے تذکرے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں شیز اپنی زرخیزی، مال مویشی اور کانوں کی دولت کے لیے مشہور ایک بستی تھی، لیکن مذہبی مرکز کے طور پر اس کی حیثیت مدھم ہو چکی تھی (یاقوت حموی)۔

اسلامی دور میں دھیرے دھیرے یہ مقام غیر آباد ہونے لگا۔ ایک عرصے تک مقامی آبادی نے اطراف میں کھیتی باڑی اور معمول کی زندگی جاری رکھی، جبکہ مقدس آگ ممکنہ طور پر کسی اور مقام پر منتقل کر دی گئی یا خاموشی سے بجھ گئی۔ دسویں سے بارہویں صدی تک کے کم حوالہ جات سے اندازہ ہوتا ہے کہ تختِ سلیمان ویرانی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تاہم، اردگرد کی زمینیں اور جھیل کے گرم چشمے پھر بھی لوگوں کے کام آتے رہے۔ اس دوران مقامی باشندے اس ٹیلے اور مخروطی پہاڑ سے وابستہ افسانوی قصے اگلی نسلوں کو سناتے رہے (جن کا ذکر آگے آئے گا)۔

## عہدِ ایلخانی میں احیاء:

تختِ سلیمان کو ایک مرتبہ پھر عروج اس وقت ملا جب منگولوں نے ایران فتح کیا۔ ہلاکو خان کی قیادت میں منگول افواج نے 1256ء میں ایران میں ایلخانی سلطنت قائم کی۔ ہلاکو کے جانشین آباقا خان (م: 1282ء) نے اس ویران پڑے مقام کی تاریخی اور تزویراتی اہمیت بھانپ کر یہاں بڑے پیمانے پر تعمیرات کروائیں۔ 13ویں صدی کے اواخر میں آباقا خان نے تختِ سلیمان کو اپنا شاہی

تفریحی صدر مقام (شکاری اور گرمائی دارالحکومت) بنایا۔ اس نے تباہ حال ساسانی فصیل اور عمارات کی مرمت کروائی، جنوبی دروازے کے قریب ایک نیا دروازہ تعمیر کروایا اور کئی نئی عمارتیں کھڑی کیں۔ ان نئی تعمیرات میں شاہی محل، اجلاس گاہ (ہال آف آڈیئنس یا دیوان خاص)، ایک شاندار ایوان (جسے ایوانِ شرقی کہا گیا)، آٹھ اور بارہ پہلو عمارتیں، اور صنعتکاروں کے لیے ایک چھوٹا شہرک شامل تھے. قابل ذکر بات یہ ہے کہ مغول حکمرانوں نے سابقہ ساسانی آثار کو منہدم نہیں کیا بلکہ انہی کے ساتھ یا اوپر اپنی تعمیرات کیں، یوں قدیم اور جدید طرز کا امتزاج یہاں نظر آتا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ مقام (جسے وہ ترکمانی نام ''سُتوریق'' سے موسوم کرتا ہے) ایلخانوں کی مشہور ییلاق (گرمائی چراگاہ) تھا جہاں امیر ارغون نے اپنے خزانے بھی رکھے تھے (مستوفی)۔ آباقا کے بعد اس کے بیٹے ارغون خان نے بھی یہاں مزید کام جاری رکھا۔

مغولی طرزِ تعمیر اور مقامی ایرانی طرز کا حسین امتزاج تختِ سلیمان کے ایلخانی آثار میں دکھائی دیتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایلخانی محل کے کچھ حصوں میں مشرقی ایشیائی انداز کی آٹھ پہلو (Octagonal) عمارتیں اور رنگین نقش و نگار والی کاشیوں کا استعمال ہوا۔ ان میں آٹھ کونوں والا تالار اور اس سے برآمد نیلگوں رنگ کی چمکیلی ٹائلیں بہت مشہور ہیں۔ بعض دیواروں کو ہشت پہلو ستارہ نما اور صلیبی شکل کی منقش ٹائلوں سے مزین کیا گیا تھا جن پر اسلامی اور چینی طرز کے نقش بنتے تھے۔ یہ ٹائلیں آج تہران کے میوزیم میں محفوظ ہیں۔ ان تزئینی اجزاء سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایلخانی دور میں اس مقام نے جزوی طور پر ایک شاہی سکونت گاہ اور مذہبی احترام کی جگہ دونوں کا کردار ادا کیا۔ مغول شاہزادے بدھ مت اور شمن ازم سے بھی متاثر تھے؛ کچھ روایات کے مطابق یہاں آسمانی مشاہدے (فلکیاتی رصد) کا اہتمام بھی رہا ہو گا، تاہم اس بارے میں یقینی شواہد کم ہیں۔

1318ء میں سلطان ابو سعید کے دور کے بعد ایلخانی سلطنت زوال پذیر ہونے لگی۔ چودھویں صدی کے وسط تک تختِ سلیمان سے شاہی خاندان کا دلچسپی اٹھ گئی اور یہ جگہ دوبارہ سے غیر آباد ہونے لگی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ تقریباً 1335ء کے بعد اس شہرک کو مکمل طور پر ترک کر دیا گیا اور مغول امراء نے یہاں آنا چھوڑ دیا۔ نتیجتاً عمارات رفتہ رفتہ زمین بوس ہوتی گئیں اور گرد و غبار میں چھپ گئیں۔ مقامی دیہاتی آبادی وقت کے ساتھ ساتھ سمٹ کر قریبی چھوٹے قصبات تک محدود ہو گئی (آج نزدیک ترین بستی تازہ کند نصرت آباد ہے جو ٹیلے سے ڈیڑھ کلومیٹر دور ہے)۔ یوں تختِ سلیمان پھر کھنڈر میں تبدیل ہو گیا، اور آنے والی کئی صدیوں تک تاریخ کے پردوں میں گم رہا۔

## عہدِ صفوی میں تختِ سلیمان کی معنوی حیثیت:

دورانِ صفویہ، بالخصوص شاہ طہماسب کی حکومت تک، سورلوق (تختِ سلیمان) ایک شاہی ییلاق کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ صفوی بادشاہ، پچھلے حکمرانوں کے مقابلے میں، یہاں قیام کو زیادہ پسند کرتے تھے اور اکثر یہاں رہتے اور شکار میں مشغول رہتے تھے۔ انہوں نے سورلوق کے لیے ایک نیا فارسی نام اختیار کیا: تختِ سلیمان۔

''خواندمیر کی روایت کے مطابق، شاہ اسماعیل نے نوروز ۹۱۱ ہجری اپنا قشلاق (سردیوں کا قیام) طارم میں گزرا، پھر وہاں سے سلطانیہ کے گرمیوں کے مقام (ییلاق) کی طرف گیا اور وہاں سے سورلوق پہنچا (خواندمیر، ص ۴۸۴، ۱۳۶۲ھ لیکن قمی اس واقعے کو یوں بیان کرتا ہے: 'جب خاقانِ سلیمان مکان (جو شاہ اسماعیل اول کا ایک لقب ہے اور اس کا معنی ہے: وہ شخص جس کا مقام حضرت سلیمان جیسا ہے) نے سالِ خرس کے نوروز کو، بروز جمعرات ۱۷ شوال ۹۱۱ ہجری، تختِ سلیمان کے شاہی ییلاق میں جشن منایا، تو وہ وہیں سے طارم کی طرف روانہ ہوا'' (قمی، ص ۸۷، ۱۳۵۸ھ ش)

''آگے چل کر یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ شاہ اسماعیل وہاں سے رشت گیا اور پھر واپس اپنے قشلاق طارم لوٹ آیا۔ خلاصۃ التواریخ میں پہلی مرتبہ تختِ سلیمان کا نام اسی واقعے میں ظاہر ہوتا ہے، لیکن اس سے بھی پہلے کتاب لبّ التواریخ میں اس مقام کا ذکر ملتا ہے۔''

اس دور کا ایک قابلِ ذکر واقعہ، سلطان ہمایوں بادشاہ کا سورلوق کا دورہ ہے۔ اسکندر منشی کے بیان کے مطابق، جب سلطان ہمایوں یہاں پہنچا، تو شاہ طہماسب نے اسے اپنے ذاتی خیمے میں ٹھہرایا، شاہی میزبانی کی، جشن و ضیافت کا اہتمام کیا؛ لیکن منشی یہ واضح نہیں کرتا کہ سلطان کو کہاں ضیافت دی گئی تھی—تاہم ظاہر ہے کہ یہ سب سورلوق ہی میں ہوا۔ شاہ طہماسب کے بعد، سورلوق / تختِ سلیمان سے متعلق کوئی تاریخی ذکر نہیں ملتا، اور اس کی وجہ خطے کی عثمانیوں سے قربت تھی۔ آذربایجان، عثمانی سرحد کے قریب واقع ہونے کی بنا پر اکثر خطرے کی زد میں رہتا تھا، جیسا کہ ۹۵۴ ہجری میں صفوی سلطنت کو شدید خطرہ لاحق ہوا۔ بالآخر، شاہ طہماسب نے ۱۰۰۶ ہجری میں دارالحکومت کو تبریز سے قزوین منتقل کیا، اور بعد ازاں شاہ عباس اول (۱۰۳۸–۹۹۶ ہجری) نے اسے اصفہان منتقل کر دیا۔ دارالحکومت کے آذربایجان سے دور چلے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ تختِ سلیمان سیاسی اور شاہی سرگرمیوں کے مرکز سے دور ہو گیا۔ چنانچہ بعد کے صفوی دور میں، شاہی خاندان اور حکومت کے وابستگان کو یہاں گرمیوں کا وقت گزارنے میں دلچسپی باقی نہ رہی۔ تختِ سلیمان آہستہ آہستہ اپنی سابقہ حیثیت کھو بیٹھا اور سیاسی تاریخ میں اس کا کردار سمٹ گیا۔

**جدید دور: از سرِ نو دریافت اور تحقیقات:**

انیسویں صدی عیسوی میں جب یورپی سیاح اور محققین مشرق وسطیٰ کے آثار کی طرف متوجہ ہوئے تو تختِ سلیمان کی "دوبارہ دریافت" عمل میں آئی۔ مشہور برطانوی سیاح سر رابرٹ کر پورٹر نے 1819ء میں فارس کے سفرنامے میں اس ویرانے کا ذکر کیا اور یہاں موجود پراسرار کھنڈرات کو دیکھا۔ بعد ازاں کئی یورپی ماہرینِ آثار قدیمہ اور ایران شناس اس مقام کی طرف متوجہ ہوئے۔ 1937ء میں شیکاگو یونیورسٹی کے ایرانی آثار کے سروے (Iranian Antiquities) کے تحت ایرک شمٹ نے ہوائی جہاز سے ایران کے قدیم مقامات کی تصویریں لیں جن میں تختِ سلیمان کے فضائی عکس بھی شامل تھے۔ ایرک شمٹ کی ان فضائی تصاویر نے دنیا کو پہلی بار اس بیضوی حصار، اندرونی جھیل اور کھنڈر عمارات کا نظارہ کرایا۔ اس کے بعد 1959ء میں ایران میں امریکی ماہر آرکیالوجسٹ آرتھر اپہم پوپ کی نگرانی میں ایک مختصر کھدائی کا ذکر ملتا ہے۔ تاہم باقاعدہ وسیع پیمانے پر کھدائی اور سائنسی تحقیق کا آغاز 1960 کی دہائی میں ہوا۔

1965–1978ء کے دوران ایرانی محکمۂ آثارِ قدیمہ نے جرمن ماہرین کے تعاون سے تختِ سلیمان میں منظم کھدائی کی۔ ان مہمات میں جرمنی کے پروفیسر رُوڈلف نوَمان (Rudolf Naumann) اور بعد میں دیتریش ہوف (Dietrich Huff) نے اہم کردار ادا کیا۔ علی اکبر سرفراز اور محمد یوسف کیانی جیسے ایرانی ماہرین نے بھی ان تحقیقاتی منصوبوں میں حصہ لیا اور متعدد جلدوں پر مشتمل رپورٹس شائع کیں۔ ان کھدائیوں سے ساسانی آتشکدہ کے مرکزی حصے، آتش دان کی بنیاد، آتشکدہ کے ملحقہ معبدوں، شاہی رہائش گاہوں اور ایلخانی دور کی عمارات کی باقیات منکشف ہوئیں۔ ماہرین اس نتیجے پر پہنچے کہ مرکزی آتشکدہ اینٹوں سے بنا ایک چار طاقی ڈھانچہ تھا جس کے گرد برآمدہ اور دیگر کمرے تھے۔ اس کے مغرب میں ایک اور ہال ملا جسے شاید شاہی عبادت کے لیے ثانوی آتشکدہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، جبکہ مشرق میں ایک الگ معبد کے آثار ملے جسے محققین دیوی اناہیتا کے مندر سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ امر دلچسپ ہے کیونکہ آبِ مقدس اور اناہیتا کی پوجا ایرانی شاہی خاندان اور سپاہیوں میں رائج تھی۔ آذرگشنسب کے پہلو میں اناہیتا کا مندر ہونا مذہبی توازن کی علامت تھا۔

کھدائیوں میں ایلخانی دور کی تعمیرات کے بھی سنسنی خیز سراغ ملے ہیں۔ آباقا خان کے تعمیر کردہ محل کے کمرے، آٹھ پہلو عمارت کا فرش، ستونوں کی بنیادیں اور رنگین شیشہ دار ٹائلیں دریافت ہوئیں۔ ان ٹائلوں پر کمیتی شہنشاہی مناظر اور کتبے ثبت ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ارغون کے زمانے تک یہ محل استعمال میں تھا۔ کچھ کمروں میں چینی ظروف کے ٹکڑے اور سکّے بھی ملے ہیں جو منگولوں کے عالمی رابطوں کی گواہی دیتے ہیں۔ 2004 یا 2005 میں یہاں سے ساسانی دور کے چند سکّوں کا خزانہ و مسجد و دیگر عمارات کی

باقیات بھی بر آمد ہوئی ہیں۔ اسی طرح 2018ء میں ایرانی ماہرین نے جھیل کے قریب کچھ نئے آثار دریافت کیے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جھیل کے پانی کو کنٹرول کرنے کے لیے ایک قدیم تحت البحر (انڈر گراؤنڈ چینل) بنا ہوا تھا۔

تختِ سلیمان کی بھرپور تاریخی اہمیت کے پیش نظر اقوامِ متحدہ کے ادارہ یونیسکو نے 2003ء میں اسے عالمی ثقافتی ورثہ قرار دینے کے لیے نامزد کیا اور 2004ء میں باضابطہ عالمی ورثہ فہرست میں شامل کر لیا (UNESCO,2003)۔ تب سے ایرانی حکام نے یہاں سیاحتی سہولیات اور تحفظ پر خصوصی توجہ دی ہے۔ یونیسکو کے تعاون سے جاری منصوبوں میں کھدائی سے بر آمد شدہ باقیات کو محفوظ کرنا، کمزور ڈھانچوں کی بحالی، زائرین کے لیے راستوں کی تعمیر وغیرہ شامل ہیں۔ ان اقدامات کا نتیجہ ہے کہ آج تختِ سلیمان ایران میں علمی سیاحت (educational tourism) کا اہم مرکز بن چکا ہے۔ دنیا بھر سے تاریخ دان، آرکیالوجسٹ اور سیاح اس "ایرانیات کے موتی" کو دیکھنے آتے ہیں اور اس کے اسرار سے پردہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسا کہ ایک مبصر نے لکھا: "جب سے تختِ سلیمان یونیسکو ورلڈ ہیریٹیج لسٹ میں شامل ہوا ہے، تب سے اس کے رازوں سے پردہ اٹھانے کی مسلسل کوششیں جاری ہیں"۔ ان کوششوں کے نتیجے میں یہ مقام نہ صرف ماضی کی عظمت کی یادگار ہے بلکہ ایران کی قومی شناخت اور عالمی ورثے کا ایک ناقابلِ قیمت حصہ بھی بن چکا ہے۔

## اساطیری و دینی روایات:

تختِ سلیمان کی تاریخی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس سے وابستہ اساطیری اور مذہبی حکایات نے بھی صدیوں تک لوگوں کے تخیل کو مہمیز دی ہے۔ ایرانی لوک داستانوں، زرتشتی روایات اور الہامی مذاہب کی حکایتوں میں اس جگہ کا تذکرہ رنگارنگ انداز میں ملتا ہے۔ ذیل میں چند مشہور روایات کا بیان کیا جاتا ہے:

### حضرت سلیمان اور دیو جن:

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس مقام کو حضرت سلیمانؑ کی ذات کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ مقامی لوک کہانیوں میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان نے اپنے زیرِ حکم جنّاتی طاقتوں سے یہ عظیم الشان عمارات تعمیر کروائیں اور نافرمان جنّوں اور دیوؤں کو نزدیک واقع مخروطی پہاڑ کے گڑھے (زندانِ سلیمان) میں قید کر دیا۔ قرآن و حدیث میں آتا ہے کہ سلیمانؑ کو اللہ نے جنات اور ہواؤں پر حکومت عطا کی تھی؛ چنانچہ مسلم معاشرے میں کئی پراسرار قدیم عمارات سلیمانؑ کی جانب منسوب کی جاتی تھیں تاکہ ان کی تعمیر کو توضیح مل سکے۔ تختِ سلیمان کی بلند فصیلیں، عمیق جھیل اور پراسرار کھنڈرات دیکھ کر بھی لوگوں نے فرض کر لیا کہ یہ سب حضرت سلیمان کے تخت اور محلات کے آثار ہیں۔ "زندانِ سلیمان" کہلانے والا مخروطی پہاڑ دراصل ایک قدیم معدوم آتش فشاں کا دہانہ ہے جو 80 سے 100 میٹر تک گہرا ہے۔ عوامی اعتقاد تھا کہ یہ جہنم کا گڑھا ہے جہاں سلیمانؑ نے سرکش مخلوقات کو قید کیا تھا۔ پہاڑ کے اندرون پُراسرار سرنگیں بھی دریافت ہوئی ہیں جو ممکنہ طور پر قدیم عبادت گاہیں تھیں؛ ان کے متعلق بھی مشہور ہے کہ یہ "حضرت سلیمان کے خزانے چھپانے کی جگہ" تھیں۔ یوں صدیوں تک یہ جگہ مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کے نزدیک سلیمانؑ کے معجزات کی یادگار سمجھی جاتی رہی۔ آج بھی مقامی لوگ ان روایات کو زندہ رکھے ہوئے ہیں اور اس علاقے کو متبرک مانتے ہیں۔

تختِ سلیمان کی مرکزی جھیل (تالاب) جس کے کنارے موجود کھنڈرات کو دیکھ کر مقامی داستانوں نے اسے سلیمانی طلسمات سے جوڑ دیا۔ بعض لوگ آج بھی یقین رکھتے ہیں کہ اس گہرے پانی میں سلیمانؑ کا مقدس جام یا دیگر نوادرات پوشیدہ ہیں۔

### ملکۂ سبا کی حکایت:

اسلامی روایت میں ملکۂ سبا (بلقیس) اور حضرت سلیمانؑ کا قصہ مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سلیمانؑ نے ملکہ بلقیس کا تخت یمن سے منگوایا تھا (قرآن 27:40)۔ اگرچہ یہ واقعہ بیت المقدس سے متعلق ہے، لیکن ایرانی لوک ادب میں کئی مقامات کو بلقیس کے نام

سے جوڑا گیا ہے۔ تختِ سلیمان کے قریب ایک پہاڑ کو "کوہِ بلقیس" کہا جاتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق اس پہاڑ کی چوٹی پر بلقیس کے محل یا تخت کے کھنڈر موجود ہیں۔ حقیقت میں وہاں پتھروں کی چند قدیم بنیادیں ملی ہیں جنہیں مقامی لوگ "تختِ بلقیس" کہتے ہیں۔ ایک قیاس یہ ہے کہ یہ نام تیموری عہد (15ویں صدی) میں رائج ہوا جب پرانی عمارات کو قرآنی قصص سے جوڑنے کا رجحان تھا۔ سفر نامہ نویس حمد اللہ مستوفی نے بھی بلقیس نامی کسی تخت یا مقام کا حوالہ نہیں دیا تھا، لہٰذا یہ الحاق بعد کی پیداوار ہے۔ بہر حال، عوامی تخیل میں یہ داستان اتنی مقبول ہوئی کہ قریب کی پوری پہاڑی ہی کو بلقیس کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ کچھ لوگ یوں باور کرتے ہیں کہ ملکہ سبا نے حضرت سلیمان سے شادی کے بعد یہاں بسیرا کیا تھا اور یہیں دفن ہوئیں؛ تاہم اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں۔ یہ تمام حکایتیں اس علاقے کی اساطیری کشش کو ظاہر کرتی ہیں۔

### زرتشت کی جائے پیدائش:

زرتشتی مذہب کی روایات میں پیغمبر زرتشت کی پیدائش کا مقام غیر یقینی ہے۔ بعض روایتیں انہیں مشرقی ایران (بلخ وغیرہ) سے جوڑتی ہیں، مگر آذربائیجان کے لوگ قدیم سے یہ دعویٰ کرتے آئے ہیں کہ زرتشت ان کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ یاقوت حموی نے بیان کیا کہ "کہا جاتا ہے، یہی وہ جگہ ہے جہاں زرتشت نبیِ مجوس پیدا ہوئے" (یاقوت حموی)۔ ابودُلف نے بھی شہر شیز کو زرتشت کے مسکن کے طور پر ذکر کیا۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ آذرگشنسب آتشکدہ شیز میں واقع تھا اور یہ زرتشتی مذہب کا نہایت مقدس مقام تھا، اس لیے مقامی زرتشتی یہ باور کرنے لگے کہ انہی کے دیس میں زرتشت کی آمد ہوئی تھی۔ قرونِ وسطیٰ کے عرب جغرافیہ دانوں نے بھی یہ روایت دہرائی۔ علاوہ ازیں ایک فارسی روایت میں آتا ہے کہ جھیل چیچست کے کنارے زرتشت کو الہام ہوا یا اسی نزدیکی علاقے میں اس نے ریاضت کی، یوں تختِ سلیمان کے تالاب کو بعض قصوں میں زرتشت کی کرامات سے جوڑا جاتا ہے۔ فی الحال تاریخی یا مذہبی متن میں زرتشت کی جائے پیدائش کا حتمی ذکر نہیں، مگر اس علاقے کے لوگ فخر سے اپنے آپ کو زرتشت کا ہم وطن گردانتے ہیں۔ موجودہ دور میں بھی اردگرد کے زرتشتی خاندان کبھی کبھار یہاں زیارت کو آتے ہیں۔

### مسیحی و "جامِ مقدس" کی روایت:

حیرت انگیز طور پر تختِ سلیمان کے بارے میں بعض یورپی اور مقامی روایات میں "جامِ مقدس" (Holy Grail) یعنی حضرت عیسیٰؑ کے آخری عشائیے کے پیالے کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ کچھ لوگوں کا ماننا تھا کہ حضرت مسیح کا وہ مقدس جام جس سے انہوں نے آخری رات میں پانی پیا تھا، اس شہر میں محفوظ رہا۔ قرونِ وسطیٰ کی صلیبی داستانوں اور رومانوی قصوں میں Holy Grail کی تلاش کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کسی یورپی سیاح نے تختِ سلیمان کی جھیل یا تالاب کو دیکھ کر یہ افواہ اڑائی ہو کہ یہاں حضرت عیسیٰ کا پیالہ چھپا ہوا ہے۔ فارس میں شاہنامہ وغیرہ میں بھی جمشید کے جامِ جہاں نما کا ذکر ہے جو دنیا بھر کا احوال دکھاتا تھا۔ بعض معاصر مصنفین نے جمشید کے جام اور مسیح کے Grail کو ملا کر قلمبند کیا، یوں یہ انوکھی روایت جنم لے گئی کہ Grail ایران میں کہیں دفن ہے۔ تختِ سلیمان چونکہ قرونِ وسطیٰ میں نیم افسانوی حیثیت اختیار کر چکا تھا، اس لیے اس کو Grail کی ممکنہ آماجگاہ سمجھا گیا۔ یونیسکو کی دستاویزات بھی اس امر کی تصدیق کرتی ہیں کہ اس مقام کے گردو پیش موجود کھنڈرات کی نسبت "زرتشت کی پیدائش اور بچہ مسیح سے متعلق بھی داستانیں پائی جاتی ہیں" (UNESCO,2003)۔ شاید یہ اشارہ اسی Holy Grail والے قصے کی طرف ہے جو طفلِ مسیح کی ایک علامت سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ تمام روایات تاریخ سے زیادہ داستانوی ہیں، لیکن انہوں نے تختِ سلیمان کو ایک پراسرار مقام کے طور پر شہرت دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

### اسلامی روایات و معجزات:

مسلمانوں میں اس جگہ کے تذکرے کا سب سے نمایاں حوالہ پیغمبر اسلام کی ولادت کے وقت پیش آنے والا معجزہ ہے۔ جیسا

کہ اوپر ذکر ہوا، مشہور روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی پیدائش کی رات فارس کے آتشکدے کی صدیوں سے فروزاں آگ یکایک بجھ گئی۔ بعض روایات اس کو فارس (ایران) کے مرکزی آتشکدے سے تعبیر کرتی ہیں اور بعد کے علماء نے واضح کیا ہے کہ اس سے مراد آذرگشنسب (شیز) کی آگ تھی۔ فارسی مورخین نے لکھا کہ اُس رات آتشکدے کے مجاور آگ جلائے رکھنے کی پوری کوشش کرتے رہے مگر آگ گل ہو کر رہی۔ یہ واقعہ اسلام کی آمد کی علامت سمجھا گیا کہ مجوسیوں کا نورِ مقدس گل ہو گیا۔ اس کے علاوہ شیعی روایات میں ساتویں صدی میں امام حسین کے قیام سے قبل ایران میں آتشکدوں کے اچانک بجھ جانے کا ذکر آیا ہے جو ممکن ہے اسی قصے کا بازگشت ہو۔ بہرحال، مسلمانوں کے نزدیک یہ مقام ایک اعتبار سے حق کی نشانی کا گواہ بھی ہے کیونکہ آخری نبی کی ولادت کے وقت یہاں کا سب سے بڑا آتشکدہ بے نور ہوا۔

اس کے ساتھ ساتھ بعد کے اسلامی مورخین نے بھی آذرگشنسب کو اسلامی تاریخ کے تناظر میں ذکر کیا۔ یاقوت اپنی کتاب معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ اسلامی عہد میں خلیفہ المتوکل نے آذربائیجان کے عامل (گورنر) کو یہاں مقرر کیا تھا مگر سخت موسم کے سبب اس نے معزولی کی درخواست کی (مسعودی)۔ یہ لطیفہ بھی مشہور ہے کہ اُس عامل نے شعری انداز میں لکھا: "ولایۃ الشیز عزل، والعزل عنها ولایۃ" (شیز کی گورنری خود سے معزولی ہے اور وہاں سے معزولی دراصل عنایت ہے)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیز کا دور دراز اور کوہستانی ہونا مشہور تھا اور وہاں خدمت کرنا دشوار۔ خیر، قرونِ وسطیٰ کے آخر میں جب یہ جگہ "تختِ سلیمان" کے نام سے معروف ہوئی تو فارسی صوفیانہ لٹریچر میں کبھی کبھار اسے دنیا کی بے ثباتی کے استعارے کے طور پر بھی پیش کیا گیا: کہ وہ تخت جسے سلیمان علیہ السلام کا سمجھا گیا تھا، آج ویرانہ ہے؛ اسی طرح دنیا کی شان بھی فنا ہو جاتی ہے۔

ان تمام روایات و حکایات نے تختِ سلیمان کو محض ایک آثار قدیمہ کی سائٹ نہیں رہنے دیا بلکہ ایرانی لوک ثقافت اور مذہبی تخیل کا حصہ بنا دیا ہے۔ آج بھی اس مقام کے بارے میں سنسنی خیز داستانیں سن کر سیاح کھنڈرات کی خاموشی میں ایک پراسرار گونج محسوس کرتے ہیں۔ زرتشتی، یہودی، عیسائی اور مسلمان سبھی اپنے اپنے انداز میں اس جگہ کو کسی نہ کسی روحانی قصے سے جوڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تختِ سلیمان تاریخ، مذہب اور افسانے کے سنگم کی ایک شاندار مثال پیش کرتا ہے۔

## موجودہ تحقیقی کام اور ماہرین کی آراء:

تختِ سلیمان پر گزشتہ چند دہائیوں میں ہونے والی تحقیق نے ہمارے علم میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ آثارِ قدیمہ، تاریخ اور مذہبی علوم کے ماہرین نے اس مقام سے متعلق مختلف پہلوؤں پر مطالعات شائع کیے ہیں۔ ذیل میں موجودہ تحقیقی کام کا خلاصہ اور اہم آراء پیش ہیں:

### آثارِ قدیمہ اور فنِ تعمیر:

تختِ سلیمان کے وسیع کھنڈرات ماہرینِ آثار کے لیے ایک کھلی تجربہ گاہ ہیں۔ 1960 اور 70 کی دہائی کی کھدائیوں کے نتائج کو جرمن اور ایرانی ماہرین نے تفصیلاً شائع کیا (Naumann et al., 1975)۔ جرمن ماہر دیتریش ہوف (Dietrich Huff) نے تختِ سلیمان کی معماری پر گہرائی سے لکھا ہے۔ ان کے مقالے (جس کا فارسی ترجمہ بھی چھپا) میں آتشکدے کے مرکزی ہال، گنبد کے احتمالی ڈھانچے اور اردگرد کی تعمیرات کی انجینئرنگ کا تجزیہ موجود ہے۔ ہوف کے مطابق مرکزی آتشکدہ کا نقشہ ساسانی چار طاق (چار محرابی گنبد دار کمرہ) جیسا تھا، جس کے اردگرد رہائشی اور مذہبی استعمال کے کمرے تھے (ہوف، 1975)۔ آتشکدے کے سامنے ایک وسیع صحن اور ایوان تھا جسے مسلمانوں نے بعد میں ایوانِ کسریٰ کے مشابہ سمجھا ہے۔ ایرانی ماہر علی اکبر سرفراز اور کیانی کی مشترکہ رپورٹ (1968ء) بھی اس مقام کی ابتدائی کھدائیوں کی تفصیل فراہم کرتی ہے۔ انہوں نے آتشکدے سے ملحق عمارات اور شاہی اقامت گاہ

کے خاکے جاری کیے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ساسانی دور میں یہاں ایک منظم شہر بسا ہوا تھا جس میں عبادت کے ساتھ ساتھ تعلیم اور صنعت کے شعبے بھی موجود تھے (سرفراز و کیانی، 1968)۔

مغولی (ایلخانی) دور کے آثار پر جاپانی محققہ ٹوموکو ماسویا (Tomoko Masuya) نے مفصل کام کیا ہے۔ انہوں نے "Takht-iSulaiman:TheIlkhanidPhase" کے عنوان سے پانچ جلدوں پر مشتمل تحقیقی کام میں ایلخانی تعمیرات، طرزِ رہائش اور آرٹ کا جائزہ لیا۔ ماسویا اور دیگر ماہرین کی آراء سے یہ واضح ہوا کہ منگول حکمرانوں نے تختِ سلیمان کو محض فوجی کیمپ نہیں بلکہ ایک تفریحی اور ثقافتی مرکز کے طور پر ترقی دی۔ آباقا خان نے یہاں جو محل تعمیر کیا اس میں شاندار ہال، باغیچے، نہریں اور احتمالاً ایک رصد گاہ بھی تھی۔ یہاں سے برآمدہ ایلخانی ظروفِ چینی اور شیشہ آلات بتاتے ہیں کہ شاہی دربار ایشیائے دور سے لائی گئی اشیاء استعمال کرتا تھا۔ علاوہ ازیں مغولی طرز کے آٹھ گوشہ کمرے اور چوبی ستونوں کی بنیادیں بھی دریافت ہوئیں جن سے منگول خیمہ طرزِ تعمیر کی جھلک پتھر اور اینٹ میں دکھائی دیتی ہے (Masuya, 1997)۔

## تاریخی مطابقت اور مباحث:

مورخین نے تختِ سلیمان کو تاریخی متون سے ملانے کی بہت کوشش کی ہے۔ ایک اہم بحث تختِ سلیمان = شہر شیز = فرہ آسپ کے متعلق ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، کچھ ماہرین اس کو اسکندری عہد کے اتروپاتکان دارالحکومت فرہ آسپ مانتے ہیں، جبکہ دیگر اختلاف کرتے ہیں۔ حالیہ مطالعات (مثلاً L. Vanden Berghe, 1959; M. Colledge, 1967) اس نظریے کی تائید کرتی ہیں کہ 36 ق م میں انتونیوس نے جس قلعے کا محاصرہ کیا تھا وہ یہی مقام تھا۔ تاہم، ایرانی آثار کے ماہر عبدالمجید ارفعی اور زریاب خوئی وغیرہ کا استدلال ہے کہ فرہ آسپ دراصل مراغہ کے قریب تھا اور شیز / تختِ سلیمان الگ شہر تھا۔ موجودہ اجماع کچھ یوں بنتا ہے کہ شیز (تخت سلیمان) ساسانی دور میں مذہبی دارالحکومت تھا جبکہ گنزک (قریب مراغہ) انتظامی مرکز رہا ہوگا۔ اس بحث کو ابھی قطعی طور پر حل نہیں کیا جاسکا اور تحقیقی کام جاری ہے۔ ماہرین کو امید ہے کہ مزید کتبوں کی دریافت یا آثار کی شناخت سے یہ گتھی سلجھ سکے گی۔

اسلامی حوالوں میں تختِ سلیمان (شیز) کا تذکرہ معاہدات اور سماجی حالات کے تناظر میں بھی اہم ہے۔ ایرانی تاریخ کے محقق تورج دریایی اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ عرب فتح کے بعد بھی کم از کم ایک دو صدی تک آذرگشنسب کا تقدس لوگوں کے ذہنوں میں تھا۔ وہ مسعودی اور طبری کے ذکر سے ثابت کرتے ہیں کہ مسلمان حکام نے آغاز میں مقامی زرتشتی آبادی کے ساتھ "بقائے باہمی" کی پالیسی اپنائی جس کے تحت ایسے بڑے آتشکدے فوری بند نہیں کیے گئے (مسعودی)۔ تاہم آہستہ آہستہ جب زرتشتی آبادی میں کمی آئی تو یہ مقامات بھی غیر فعال ہوگئے۔ تختِ سلیمان اس کی ایک روشن مثال ہے جہاں اسلامی تسخیر کے بعد بھی کچھ عرصہ تک زرتشتی رسومات جاری رہیں، یہاں تک کہ مقامی آبادی خود مسلمان یا ترک آبادی میں مدغم ہوگئی۔

## ارضیاتی اور ماحولیاتی مطالعہ:

حالیہ برسوں میں جیولوجسٹ حضرات نے تختِ سلیمان کی جھیل اور زندانِ سلیمان کے ارضیائی پہلوؤں کا بھی جائزہ لیا ہے۔ اُنہوں نے پایا کہ جھیل دراصل ایک آرٹیزین کنواں ہے جس کا پانی چونے کے اجزا سے بھرپور ہے۔ اسی چونے نے ٹیلے کی تہہ جمائی اور اس کی بلندی تقریباً 60 میٹر کردی۔ ماہرین نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ پانی کے اخراج یا انجذاب میں تبدیلی سے ٹیلے کو خطرہ ہو سکتا ہے. چنانچہ اطالوی اور ایرانی انجینئروں کی ایک ٹیم نے 2010ء کے بعد اس کارسٹ جھیل کے پانی کی گردش اور دباؤ کی نگرانی کا نظام نصب کیا ہے تاکہ اچانک دھنساؤ وغیرہ سے بچا جاسکے۔ ماحولیات کے ماہرین کے لیے بھی یہ مقام دلچسپی کا باعث ہے کیونکہ تالاب کا درجہ حرارت شدید سردیوں میں بھی تقریباً مستقل 21° سینٹی گریڈ رہتا ہے۔ اس غیر معمولی خاصیت پر مقالے شائع ہوئے ہیں جو زیرِ زمین

آتش فشانی سرگرمیوں اور پانی کے بہاؤ کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

## ملٹی ڈسپلنری مطالعات:

تخت سلیمان پر ایسے مطالعات بھی ہو رہے ہیں جو تاریخ، آثار قدیمہ اور اساطیر کو باہم جوڑتے ہیں۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر کامیاب پورنے اپنے تحقیقی مقالے میں تختِ سلیمان کے اساطیری تذکروں (سلیمان، زرتشت، وغیرہ) کا تقابل یہودی اور زرتشتی متون سے کیا ہے تاکہ دیکھا جائے کہ کیا یہ داستانیں کسی حقیقی واقعے کی علامتی یادگار ہیں یا بعد کی ذہنی اختراع۔ اسی طرح ایرانی ماہرِ عمرانیات رضا علوی نے مقامی لوک گیتوں اور کہاوتوں میں تختِ سلیمان کی جھلک تلاش کی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے باسی اپنی شناخت اس مقام سے جوڑتے آئے ہیں۔ انہوں نے دیہاتیوں کا ایک مثل بیان کی: "سلیمان تختی داشتم، گنج نهفتم یافت نه شد" (میرے پاس سلیمان کا تخت تھا مگر اس میں چھپا خزانہ نہ ملا) جو اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مادی شان کے باوجود حقیقی دولت نہ ملی۔ واضح طور پر یہ مثل تختِ سلیمان کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ایک عظیم تخت تھا مگر آج خزانہ ندارد۔

## محفوظیت (Conservation) کے اقدامات:

موجودہ محققین اس امر پر بھی کام کر رہے ہیں کہ اس اہم ورثے کو آئندہ نسلوں کے لیے کس طرح محفوظ رکھا جائے۔ حالیہ رپورٹس کے مطابق تختِ سلیمان کی بعض دیواریں اور کھنڈرات موسم کی مار سے خستہ ہو رہے ہیں۔ یونیسکو کی عالمی ورثہ کمیٹی نے ایران کو ہدایت کی ہے کہ ٹیلے کی ڈھلانوں کو مضبوط کرنے، بارش کے پانی کی نکاسی اور سیاحوں کی نقل و حرکت کو منظم کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ چنانچہ ایرانی محکمۂ میراثِ فرہنگی نے جرمن ماہرین کی مشاورت سے کنزرویشن پلان ترتیب دیا ہے۔ 2018ء میں خبر آئی کہ تختِ سلیمان کی مرکزی فصیل کے کمزور حصوں کی مرحلہ وار مرمت کی جا رہی ہے اور ایک چھت نما ڈھانچہ مرکزی آتشکدہ کے اوپر عارضی طور پر بنایا گیا ہے تاکہ برسات اور برفباری سے بچاؤ ہو (IranFrontPage,2020)۔

## حوالہ جات:


علی اکبر سرفراز و کیانی، تخت سلیمان (رپورٹ برائے حفریات ۱۳۴۷ش)، تبریز۔

دیتریش ہوف (ترجمہ فرامرز نجد سمیعی)، تخت سلیمان: شہر ھای ایران (۱۳۶۸ش)، تہران۔

یاقوت حموی، معجم البلدان (13ویں صدی)۔

مسعودی، التنبیہ والاشراف (10ویں صدی)۔

حمد اللہ مستوفی، نزہۃ القلوب (۱۴/۷ صدی)۔

Vanden Berghe، L. (1959)، Archéologie de l' Iran Ancien، Leiden

Colledge، M. A. R. (1967)، The Parthians، London

Rudolph Naumann et al.، "Takht-i Suleiman: Bericht über die Ausgrabungen 1965-1973," Archäologischer Anzeiger (1975)

Tomoko Masuya، The Ilkhanid Phase of Takht-i Sulaiman (5 Vols.، 1997)

Britannica، "Takht-e Soleymān"

Heritage Daily، "Takht-e Soleymān – The Throne of Solomon"

Iran Front Page News، "Takht-e Soleyman, Mysterious Historical Site..." (2020)

UNESCO World Heritage Centre، Nomination Dossier "Takht-e Soleyman" (2003)

Monthly

# MUWĀZNA-E-MADHĀHIB

ISSN: 20491131

Editor: Mahfooz ur Rehman

FEBRUARY 2026 | TABLIGH 1405(HS)| SHABAN 1447(HQ)| VOL.15 NO.02

**Publishers: Additional Wakalat Tasneef**
**Unit 3, Bourne Mill Business Park,**
**Guildford Road, Farnham, GU9 9PS, UK**
**Email: office@tasneef.co.uk**
https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib